ڈاکٹر محمد سفیان صفی

استاد شعبہ اردو، ہزارہ یونیورسٹی ،مانسہرہ

برصغیر میں اقبال کے مختلف سفر: خطوط کی روشنی میں

Dr. Muhammad Sufyan Safi

Department of Urdu, Hazara University, Mansehra

Iqbal's Visits In Subcontinent:In the light of Letters

Iqbal has visited different areas of sub continent for various purposes. The major motives of these journeys were educational and political, as the journey of Hayderabad, Maisoor and Madras in 1929. Where as the visits of Ellahabad and Delhi were due to political objectives. The last journy in 13th January, 1935 to Bhopal was concerned to the treatment of his throat ailment. The hole details of Iqbal journeys in sub continent is briefly discussed in this artical for the well appreciation of Iqbal's multidimensional personality.

اندرونِ ہند اقبال نے مختلف اوقات میں کئی شہروں کا دورہ کیا جن کی نوعیت اور مقاصد مختلف تھے۔ گرما کی تعطیلات میں تبدیلیٔ آب و ہوا کی غرض سے عموماً شملہ چلے جاتے مختلف مقدمات کی پیروی کے سلسلے میں بھی انہیں لاہور سے باہر جانا پڑتا۔ ایک مفکر اور عالم کی حیثیت سے بھی انہیں ہندوستان کی مختلف جامعات میں لیکچرز دینے کے لئے مدعو کیا جاتا۔ علاوہ ازیں ان کے بہت سے سفر سیاسی نوعیت کے بھی تھے۔ جبکہ انہیں اپنے علاج کی غرض سے بھی بار بار دہلی اور بھوپال جانا پڑا۔ ۱۸۹۳ء میں اقبال نے سوا انیس برس کی عمر میں میٹرک کا امتحان پاس کیا تو ۴ رمئی ۱۸۹۳ء کو ان کی شادی گجرات میں خان بہادر شیخ عطا محمد کی بڑی صاحبزادی کریم بی بی سے کرا دی گئی۔[1] ۱۸۹۵ء میں اقبال نے اسکاچ مشن کالج سے ایف۔اے کا امتحان پاس کیا اور انہیں مزید تعلیم کے حصول کے لئے لاہور کا رخ کرنا پڑا کیونکہ اسکاچ مشن کالج میں ابھی بی۔اے کی کلاسیں شروع نہ ہوئی تھیں اور ویسے بھی سیالکوٹ کی محدود فضا سے لاہور کی وسیع تر فضا میں پہنچنا اقبال کے ذہنی ارتقا کے لئے ازبس لازم تھا۔ چنانچہ اٹھارہ سال کی عمر میں ستمبر ۱۸۹۵ء کی ایک دوپہر میں اقبال لاہور پہنچے جہاں ان کے ایک دوست شیخ گلاب دین اسٹیشن پر انہیں لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ اقبال نے گورنمنٹ کالج میں بی۔اے کی کلاس میں داخلہ لیا اور چند

دن گلاب دین کے مکان میں ٹھہرنے کے بعد کواڈرینگل ہاسٹل کے کمرہ نمبر ایک میں فروکش ہوئے۔ اقبال لاہور کے چار سالہ زمانہ طالب علمی کے دوران اسی کمرے میں رہے۔ ایم اے کا امتحان دے چکنے کے بعد اقبال ۱۳ر مئی ۱۸۹۹ء کو اورینٹل کالج میں میکلوڈ عریبک ریڈر کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ بعد ازاں ۴ر جنوری ۱۹۰۱ء کو انہوں نے لالہ جیارام کی جگہ گورنمنٹ کالج میں عارضی طور پر اسسٹنٹ پروفیسر انگریزی کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دینا شروع کیں۔

گورنمنٹ کالج میں تعلیم کے خاتمے کے بعد اقبال کواڈرینگل ہاسٹل سے بھاٹی دروازے منتقل ہو گئے اور ایک مکان کرائے پر لیا جو میاں احمد بخش کی ملکیت تھا۔ اسی دوران ۱۹۰۳ء میں اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد بلوچستان میں سب ڈویژنل ملٹری ورکس تھے، بعض مخالفین نے سازش کر کے ان کے خلاف ایک جھوٹا فوجداری مقدمہ کھڑا کر دیا تھا۔ اقبال اپنے بھائی کی امداد کے لئے علی بخش کو ساتھ لے کر لاہور سے فورٹ سنڈیمن پہنچے۔ سفر کی کچھ منزلیں گھوڑے اور اونٹ پر طے کیں۔ پہلے روز سینتیس میل کا سفر گھوڑے پر کیا۔ چونکہ اقبال گھوڑے کی سواری کے عادی نہ تھے، اس لئے انہیں اس سفر میں سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ اس مقدمے کا فیصلہ شیخ عطا محمد کے حق میں ہوا اور انہیں باعزت بری کر دیا گیا اور یوں اقبال کی تشویش بھی ختم ہوئی۔ (۲) ڈاکٹر صابر کلوری کے مطابق بلوچستان میں شیخ عطا محمد کو اقبال کی کوششوں ہی سے اس مقدمے سے بری کیا گیا اور نہ صرف وہ بری ہوئے بلکہ انہیں ایس ڈی او کے عہدے پر ترقی بھی ملی۔ اس ترقی کے نتیجے میں ان کا تبادلہ ایم ای ایس، ایبٹ آباد میں ہوا اور وہ ۱۹۰۳ء میں ایبٹ آ گئے۔ (۳) اگست ۱۹۰۴ء کے دوران علامہ اقبال چند دنوں کے لئے ایبٹ آباد تشریف لائے جب ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد ایبٹ آباد میں تعینات تھے۔ اقبال نے وہاں کے اہلِ علم حضرات کے اصرار پر ''قومی زندگی'' کے موضوع پر گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۲، ایبٹ آباد میں ایک لیکچر بھی دیا جو 'مخزن' کے دو شماروں (اکتوبر ۱۹۰۴ء اور مارچ ۱۹۰۵ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کی زندگی کے متعلق فلسفیانہ انداز میں بحث کی۔ ڈاکٹر صابر کلوروی کی تحقیق کے مطابق شیخ اعجاز احمد کے ذاتی ریکارڈ میں موجود ان کے والد شیخ عطا محمد کی فوج میں نوکری سے متعلق پرسنل فائل میں درج ہے کہ شیخ عطا محمد نے ۱۸ر اکتوبر ۱۹۰۳ء کو ایبٹ آباد میں S.D.O کا چارج سنبھالا اور ۱۸ر جنوری ۱۹۰۵ء تک ایبٹ آباد میں مقیم رہے۔ اقبال نے ۱۹۰۳ء کے اواخر میں اپنے بڑے بھائی کے اہلِ خانہ کو سیالکوٹ سے ایبٹ آباد پہنچانے کے لئے بھی ایبٹ آباد کا سفر کیا تھا۔ اس سفر میں ایبٹ آباد میں ان کا قیام انتہائی مختصر رہا اور غالباً ملازمت کی مجبوریوں کے باعث وہ جلد واپس چلے گئے تھے۔ اقبال نے ایبٹ آباد کا دوسرا سفر تقریباً ایک سال کے بعد ۱۹۰۴ء کے موسمِ گرما میں، جولائی کے اواخر یا اگست کے اوائل میں کیا تھا۔ شیخ عبدالقادر کے اقبالؔ کے نام ایک خط محررہ ۶ر ستمبر ۱۹۰۴ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبالؔ ۴ یا ۵ر ستمبر ۱۹۰۴ء کو ایبٹ آباد سے روانہ ہو گئے تھے۔ ''...آپ کا محبت نامہ مرقومہ ۱۰ر اگست ۱۹۰۴ء ایبٹ آباد سے ۲۹ر اگست کو ملا۔ میں دو خط سیالکوٹ کے پتے پر لکھ چکا ہوں امید ہے وہ آپ کو مل گئے ہوں گے۔ اگر آپ کی نقل و حرکت مکانی میں کوئی گم ہو گیا ہو تو افسوس ہو گا اب یہ پھر سیالکوٹ بھیجتا ہوں کیونکہ آپ نے لکھا ہے کہ آپ ۵ر ستمبر ۱۹۰۴ء کو سیالکوٹ جائیں گے۔..'' (۴)

اس خط سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال نے ایبٹ آباد میں ۵ر اگست ۱۹۰۴ء سے ۵ر ستمبر ۱۹۰۴ء تک تقریباً ایک ماہ قیام کیا۔ ایبٹ

آباد کے اس سفر کے دوران انہوں نے یورپ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور یہ سفر درحقیقت اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کو اس سلسلے میں قائل کرنے کیلئے کیا گیا تھا۔ ۱۰؍اگست ۱۹۰۴ء کو منشی دیا نرائن نگم ایڈیٹر زمانہ، کے نام اقبال نے ایبٹ آباد سے ایک خط بھی لکھا۔ ''۔ میں کئی دنوں سے یہاں ہوں لیکن افسوس کہ یہاں پہنچتے ہی بیمار ہو گیا اور اسی وجہ سے آپ کے خط کا جواب نہ دے سکا۔ ابھی پورا افاقہ نہیں ہوا۔ اشعار ارسالِ خدمت کرتا ہوں۔ (دوسرا صفحہ ملاحظہ ہو)۔۔۔۔''۔۔ (۵) دوسرے صفحہ پر اقبالؔ نے ''ہمارا دیس'' کے عنوان سے ایک نظم کے اشعار ارسال کئے تھے جو ''زمانہ'' کے ستمبر ۱۹۰۴ء کے شمارے میں شائع ہوئے۔ نو اشعار پر مشتمل یہ نظم ''ترانۂ ہندی'' کے عنوان سے بانگِ درا میں شامل ہے۔

نظم ''ہمارا دیس'' کے علاوہ نظم 'ابر' اور 'طفلِ شیر خوار' بھی ایبٹ آباد ہی میں لکھی گئیں 'طفلِ شیر خوار' فروری ۱۹۰۴ء کے مخزن میں شائع ہوئی تھی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اقبال نے اگست ۱۹۰۴ء سے پہلے بھی ایبٹ آباد کا سفر کیا تھا۔ میر ولی اللہ کے بقول اقبال کی نظم 'سرگذشتِ آدم' بھی ایبٹ آباد کی ایک تقریب میں پڑھی گئی۔ (۶)

یورپ سے واپس آ کر اقبال نے وکالت کو اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ ۳۰؍اکتوبر ۱۹۰۸ء سے اقبال کی بحیثیت ایڈووکیٹ انرولمنٹ ہوگئی اور اس حکم نامے کے تحت انہیں چیف کورٹ پنجاب میں پریکٹس کرنے کی اجازت مل گئی۔ ابھی وکالت کا پیشہ اختیار کئے دو ایک ماہ ہی گزرے ہوں گے کہ اقبال کو ایم اے او کالج علی گڑھ میں فلسفے کی پروفیسری کی پیشکش ہوئی لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا۔ اسی طرح اپریل ۱۹۰۹ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں تاریخ کی پروفیسری بھی ٹھکرا دی۔ اقبال کو ہمہ وقتی طور پر معلّمی کا پیشہ اختیار کرنے میں اس لئے تامل تھا کی یہ کوئی معقول آمدنی کا ذریعہ نہ تھا۔ ان کے نزدیک وکالت کا پیشہ اختیار کئے رکھنے میں بہتر مالی مستقبل کے امکانات تھے۔ لیکن یکم مئی ۱۹۰۹ء کو پروفیسر جیمز کی اچانک وفات پر ان کی اسامی پر کرنے کے لئے فوری طور پر کسی انگریز پروفیسر کا انتظام ہو سکنا ممکن نہ تھا، چنانچہ پرنسپل کی درخواست پر حکومتِ پنجاب نے اقبال سے استدعا کی کہ عارضی طور پر فلسفے کی پروفیسری قبول کر لیں۔

ظاہر ہے اقبال معقول آمدنی کے کسی ایسے ذریعے کی تلاش میں تھے جو کشاکشِ روزگار سے انہیں کم از کم اتنی مہلت دے کہ وہ اپنی قوتِ فکر کا رخ اس عالم کی سمت موڑنے کے قابل ہو سکیں، جس کا تعلق تخلیق سے تھا۔ اقبال کی روح کی گہرائیوں میں یہ احساس تڑپ رہا تھا کہ ان کا اصل مقدر شعر کے ذریعے ایک نیا پیغام عالمِ اسلام تک پہنچانا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے برصغیر میں تصنیف و تالیف کا شغل بجائے خود معقول آمدنی کا ذریعہ نہ تھا، بلکہ ایسے مقصد کی تحصیل کے لئے کسی نہ کسی مالدار سرپرست کی ضرورت تھی۔ اسی بنا پر وہ اپنے مزاج کے موافق کسی ملازمت کے اختیار کرنے کو خارج از بحث قرار نہ دیتے تھے۔ اس مرحلے پر ان کی توجہ حیدر آباد دکن کی طرف مبذول ہوئی۔ اقبال کبھی حیدر آباد نہ گئے تھے۔ گو ان کی نظمیں اور غزلیں وہاں کے مختلف رسالوں میں چھپتی رہتی تھیں اور حیدر آباد کی بعض علم دوست شخصیات مثلاً سر اکبر حیدری، مہاراجہ کشن پرشاد، وغیرہ سے ان کا غیبی تعارف یا غالباً خط و کتابت تھی۔ نیز اقبال کے دوست غلام قادر گرامی بھی شاعرِ خاص نظام کی حیثیت سے وہاں مقیم تھے۔ حیدر آباد میں اہلِ سخن کی قدر افزائی کے چرچے اقبال کے کانوں تک پہنچتے رہتے تھے اور انہیں یہ توقع ہوگئی تھی کہ دہلی اور

لکھنؤ کی بربادی کے بعد حیدرآباد ہی ایک ایسی مسلم ریاست ہے، جہاں ہوسکتا ہے انہیں وہ مہلت میسر آسکے، جس کی انہیں جستجو تھی۔ چنانچہ وہ کالج سے دس دن کی رخصت لے کر ۱۸/مارچ ۱۹۱۰ء کی رات کو حیدرآباد روانہ ہوگئے۔ ۳۰/مارچ ۱۹۱۰ء کو لاہور سے تحریر کئے گئے عطیہ فیضی کے نام مکتوب (انگریزی) میں اقبال اپنے دورۂ حیدرآباد کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں۔۔۔ ''۔۔۔میں اگر حیدرآباد میں چندے اور ٹھہر جاتا تو مجھے یقین واثق ہے کہ اعلیٰ حضرت حضور نظام مجھے شرفِ بازیابی بخشتے۔ میں حیدرآباد میں جملہ اکابر سے ملا اور اکثر نے مجھے اپنے ہاں دعوت پر بلایا۔ میرا سفر حیدرآباد بلا مقصد نہ تھا۔ عندالملاقات عرض کروں گا۔ خاندانِ حیدری سے ملاقات ہی مقصودِ سفر نہ تھا۔ میں ان سے اس سفر میں ہی ملا ہوں قبل ازیں ان سے مجھے نیاز حاصل نہ تھا۔۔۔۔ میری دس روز کی رخصتِ اتفاقیہ ۲۸/کو ختم ہوئی۔ میں ۲۳/کو حیدرآباد سے لاہور کے لئے روانہ ہوا۔ چار دن کا سفر ہے۔ واپسی پر مجھے حضرت عالمگیر کے مزارِ پرانوار پر بھی حاضر ہونا تھا۔ حضرت عالمگیر پر ایک ایسی وجدانگیز نظم لکھوں گا کہ اردو والوں نے آج تک دیکھی نہ ہوگی۔ ۲۹/صبح کو لاہور پہنچا۔ سیدھا کالج گیا اور وہاں سے کچہری۔ آپ خود ہی اندازہ فرمائیے کہ اندریں حالات میرے لئے جنجیرہ کا سفر کیونکر ممکن تھا۔۔۔۔''[۷] ۷/اپریل ۱۹۱۰ء کے خط موسومہ عطیہ فیضی میں لکھتے ہیں: ...''۔میری سیاحتِ حیدرآباد سے متعلق کوئی نتائج اخذ نہ کیجئے۔ مثلاً! یہ کہ اعلیٰ حضرت حضور نظام میری قدر افزائی فرمارہے ہیں۔ اس معاملہ میں خود میری تحریر کا انتظار فرمائیے۔ میں نے اتنا سفر اس زمانے میں جب کہ میرے پاس قطعاً گنجائش نہ تھی صرف ملاقاتوں کے لئے ہی اختیار نہیں کیا تھا۔[۸] حیدرآباد میں اقبال نے سر اکبر حیدری کے ہاں قیام کیا۔ ممکن ہے اکبر حیدری خط و کتابت کے ذریعے اقبال سے متعارف ہوئے ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے اقبال سے ان کا غائبانہ تعارف مولانا غلام قادر گرامیؔ کے ذریعے ہوا ہو۔[۹] سر اکبر حیدری اور ان کی اہلیہ علم و ادب کا نہایت عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ انہوں نے نہ صرف اقبال کی خاطر تواضع کی بلکہ حیدرآباد کی مقتدر ہستیوں سے انہیں متعارف کرایا۔ حیدرآباد میں قیام کے دوران اقبال نے نظم طباطبائی سے ملنے خواہش ظاہر کی۔ جو ان دنوں نظام کالج میں فارسی کے پروفیسر کی حیثیت سے معمور تھے۔ اکبر حیدری نے انہیں بلوا بھیجا اور اقبال سے تعارف کروایا۔ اقبال حیدرآباد میں گرامیؔ کی صحبتوں سے مستفید ہوئے۔ علاوہ اس کے وہاں کے تمام اہلِ کمال سے ملے۔ جلیلؔ مانکپوری نے، جو داغؔ کے بعد استادِ نظام مقرر ہوئے تھے، اقبال کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا، جس میں حیدرآباد کے متعدد شاعروں اور ادیبوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ حیدرآباد میں اقبال، مہاراجہ کشن پرشادؔ سے بھی ملے جو ان دنوں ریاست کے صدر المہام تھے۔ مہاراجہ سنسکرت کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو میں مہارت کے سبب صوفیانہ خیالات رکھتے تھے۔ شعر گوئی اور شعر فہمی کا ان کو خاص ملکہ تھا۔ داغؔ اور آصفؔ کے شاگرد رہ چکے تھے، فنونِ سپہ گری کے ساتھ رمل، نجوم، خطاطی، مصوری اور موسیقی پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان کا ماحول تو امیرانہ تھا لیکن عادات فقیرانہ تھیں۔ حیدرآباد کے اس ہندو جاگیردار کی فقیرانہ عادات، موروثی عجز و انکساری، نوازشِ کریمانہ اور وسعتِ اخلاق نے اقبال کا دل ہمیشہ کے لئے جیت لیا۔ دونوں کے درمیان بہت گہرے تعلقات قائم ہوئے تھے۔ اقبالؔ کی دو نظمیں" شکریہ "اور " گورستانِ شاہی " سفرِ حیدرآباد کی بہترین اور لازوال یادگار ہیں۔ اقبال کی نظم ''شکریہ'' مہاراجہ کشن پرشاد کی تعریف میں ایک مدحیہ قصیدہ ہے، یہ

نظمیں جون ۱۹۱۰ء کے مخزن میں شیخ عبدالقادر کے تعارفی اور اقبال کے تمہیدی کلمات کے ساتھ شائع ہوئیں۔ ۱۹۱۰ء میں اقبالؔ ایم اے او کالج علی گڑھ میں لیکچر کے سلسلے گئے۔ (۱۰)

۱۹۱۱ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا ایک اجلاس دہلی میں ہوا جس میں علامہ کو بھی مدعو کیا گیا اور ان سے یہ درخواست کی گئی کہ کانفرنس کے تیسرے جلسے کی صدارت کریں۔ علامہ کی صدارت میں کانفرنس کا تیسرا اجلاس ہوا۔ اس موقع پر خواجہ کمال الدین نے اسلام اور علوم جدیدہ کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ اس تقریر کے اختتام پر علامہ نے اپنے خطبہ صدارت (۱۱) میں اسی پہلو پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ تمام وہ اصول جن پر علوم جدیدہ کی بنیاد ہے، مسلمانوں کے فیض کا نتیجہ ہیں۔ کانفرنس کے چھٹے اجلاس کی صدارت شاہ محمد سلیمان پھلواری نے کی۔ اس اجلاس میں علامہ کو ان کی ملی خدمات کے اعتراف میں ترجمان حقیقت کا خطاب دیا گیا اور ملی اعزاز و تحسین پیش کرنے کی رسوم ادا کی گئیں۔ (۱۲)

۲۴ر جنوری ۱۹۱۳ء میں اقبال الہ آباد گئے جہاں اکبرالہ آبادی سے ان کی پہلی ملاقات ہوئی۔ جون ۱۹۱۳ء میں جب اکبرالہ آبادی کے چھوٹے بیٹے ہاشم کا انتقال ہوا تو اقبال کانپور سے واپسی پر آپ کے پاس تعزیت کے الہ آباد بھی آئے۔۔ دوسری مرتبہ اقبال ۷ر ستمبر تا ۹ر ستمبر ۱۹۱۳ء تک سانحہ مسجد مچھلی بازار کانپور کے مقدے کی پیروی کے سلسلے میں الہ آباد میں مقیم رہے اور اکبرالہ آبادی سے بھی ملاقات ہوئی۔ (۱۳)

اگست میں گرما کی تعطیلات میں اقبال چند دن اکثر شملہ میں قیام کرتے تھے۔ اکبرالہ آبادی کے نام ۱۶ر جولائی ۱۹۱۴ء کے خط میں اقبال نے لکھا کہ:۔ ''.....لاہور میں اب کے بارش بالکل نہیں ہوئی۔ ابر روز آتا ہے مگر لاہور کی چاردیواری کے اندر اسے برسنے کا حکم نہیں ہے۔ اگست کے ابتدا میں چند روز کے لئے شملہ جانے کا قصد ہے۔ کچہری تین اگست سے بند ہو جائے گی۔ (۱۴) اس خط کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال محض تبدیلی آب و ہوا کی خاطر چند روز کے لئے شملہ میں قیام کا ارادہ رکھتے تھے۔ اقبال اگست کا زیادہ حصہ شملہ میں مقیم رہے اور وہاں سے عید کی خاطر سیالکوٹ چلے گئے۔ (۱۵) شملہ میں نواب ذوالفقار علی خان، اقبال کے بے تکلف اور مخلص دوستوں میں بہت ممتاز تھے۔ اقبالؔ جب بھی شملہ تشریف لے جاتے تو نواب صاحب کی کوٹھی ''نوبہار'' ہی میں قیام کرتے تھے۔ جن دنوں نواب ذوالفقار علی خان سے علامہ اقبال کے تعلقات خراب تھے تو وہ شملہ میں ملک فیروز خان نون کے دولت کدہ پر قیام کرتے تھے۔ ۵ر ستمبر ۱۹۱۴ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کے نام مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگست کے مہینہ میں اقبال شملہ میں ہی قیام پذیر تھے۔ ''۔ اگست شملہ میں کٹا۔ وہاں والدۂ مکرمہ کی ناگہانی علالت کی خبر گئی تو واپس ہوا۔ الحمدللہ کہ اب ان کو افاقہ ہے مگر ان کو آرام ہوا تو بیویاں یکے بعد دیگرے بخار میں مبتلا ہو گئیں پرسوں سے ان کو بھی آرام ہوا۔ اب مع الخیر سیالکوٹ سے لاہور آیا ہوں۔ کل ایک مقدمہ میں پٹیالہ جاتا ہوں۔ وہاں سے حضرت امیر خسرو کے عرس پر دہلی بھی جاؤں گا اور وہاں سے۔۔ چند دنوں کے لیے گوالیار جاؤں گا کیوں کہ مہاراجہ بہادر اقبال کی قدر دانی پر مائل ہیں اور ان کا خیال یہی ہے کہ اس قدر دانی۔۔۔ کا عملی ثبوت دیں۔۔''۔ (۱۶)

دسمبر۱۹۱۴ء کے آخری ہفتے میں لدھیانہ کے لاکھوں پتی شخص ڈاکٹر سبحان نو لکھے کے زیر کفالت ان کی نسبتی بہن کی بیٹی اور ڈاکٹر غلام محمد کی بہن مختار بیگم سے اقبال کی تیسری شادی طے پائی۔مختیار بیگم کا خاندان لدھیانہ میں نولکھیوں کا خاندان کہلاتا تھا۔اقبال کی بارات لاہور سے لدھیانہ گئی۔مختیار بیگم کو ساتھ لے کر اقبال لاہور پہنچے اور انارکلی والے مکان میں قیام کیا۔سردار بیگم اور مختار بیگم دس گیارہ سال ایک ہی مکان میں اقبال کے ساتھ رہیں اور دونوں میں کبھی لڑائی نہ ہوئی۔۱۹۲۴ء میں دونوں ہی امید سے ہوگئیں۔مختار بیگم کو لدھیانے بھیج دیا گیا جہاں سے مختار بیگم کی تشویش ناک علالت کی اطلاع آئی۔نمونیے نے مختار بیگم کو سخت کمزور کر دیا تھا۔وہ وضع حمل کی زحمت برداشت نہ کر سکیں، زچہ و بچہ دونوں ۲۱ / اکتوبر ۱۹۲۴ء کو وفات پا گئے۔ (۱۷)

۱۹۱۶ء میں انہوں نے تاریخ تصوف لکھنا شروع کی مگر مناسب مواد حاصل نہ ہونے کی وجہ سے وہ صرف اس کتاب کے ایک یا دو باب ہی لکھ سکے۔۱۹۱۹ء میں روائن کا اردو ترجمہ کرنے کا خیال ان کے ذہن میں آیا اور اسے عملی جامعہ پہنانے کے لئے انہوں نے مہاراجہ کشن پرشاد کو سعد اللہ مسیحا پانی پتی کے فارسی میں ترجمہ کردہ قصے کی بابت لکھا۔لیکن انہیں یہ مثنوی دستیاب نہ ہوسکی۔اسی طرح ۱۹۲۱ء میں وہ بھگوت گیتا کا اردو ترجمہ بھی کرنا چاہتے تھے۔مگر بوجہ ان کی یہ خواہش بھی تشنہ تکمیل رہی۔۱۹۲۵ء میں انگریزی میں ایک کتاب بعنوان 'اسلام میرے نقطۂ نظر سے' لکھنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔اس حوالے سے جاوید اقبال لکھتے ہیں ''اقبال اپنے تصنیفی عزائم کو عملی جامہ کیاں نہ پہنا سکے؟اس کی دو وجوہ تھیں،پہلی یہ کہ انہیں فکرِ معاش سے نجات نہ ملتی تھی اور دوسری یہ کہ تلاشِ معاش میں ان کا بیشتر وقت صرف ہو جاتا اور تحقیق یا پڑھنے لکھنے کی فرصت نہ ملتی تھی۔۔۔غالباً فکرِ معاش سے نجات حاصل کرنے یا اپنی توجہ زیادہ تر لٹریری مشاغل کی طرف مبذول کرنے کی خاطر ان کی نگاہیں بار بار حیدر آباد دکن کی طرف اٹھتی تھیں۔ (۱۸)

۱۹۱۷ء میں اقبال کی توجہ ایک بار پھر حیدر آباد کی طرف مبذول ہوئی۔مہاراجہ کشن پرشاد کے ساتھ مراسم اور اس وقت کے ملکی حالات کے پیش نظر ۱۹۱۷ء میں یہ خیال یقین کی حد تک پہنچ گیا تھا کہ علامہ اقبال کو حیدر آباد ہائی کورٹ یا جامعہ عثمانیہ میں کوئی اعلیٰ عہدہ تفویض کیا جا رہا ہے۔

اقبال کے گرامیؔ اور شادؔ کے نام بعض خطوط سے یہ بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اقبال حیدر آباد میں عدالتِ عالیہ کی میر مجلسی کے خواہش مند نظر آتے تھے۔ جیسا کہ مہاراجہ کشن پرشاد کے نام ۱۴/ اگست ۱۹۱۷ء کے مکتوب سے ظاہر ہے۔''..حیدری صاحب نے جیسا کہ میں نے گزشتہ عریضے میں عرض کیا تھا، مجھے قانون کی پروفیسری پیش کی ہے، اور یہ پوچھا ہے کہ اگر پرائیویٹ پریکٹس کی بھی ساتھ اجازت ہو تو کیا تنخواہ لو گے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میر مجلسی عدالت العالیہ کی خالی ہے نہ اس کے متعلق انہوں نے اپنے خط میں کوئی اشارہ کیا ہے۔لیکن اگر ایسا ہو جائے تو میں اسے قانون کی پروفیسری اور پرائیویٹ پریکٹس پر ترجیح دوں گا...''(۱۹) ۱۹/ فروری ۱۹۱۷ء کو مولانا گرامی (۲۰) اور ۱۸/ مارچ ۱۷ء کو مہاراجہ کشن پرشاد کے نام مکتوبات

میں بھی اقبال نے اسی خواہش کا اظہار کیا ہے۔(۲۱) ۱۵ر اپریل ۱۷ء کو لکھے گئے خط میں اقبال نے مہاراجہ کی خدمت میں اپنے تمام کوائف بھی تفصیل سے لکھ کر ارسال کر دیئے۔(۲۲) مگر اس وقت مہاراجہ مدارالمہام نہیں تھے اس لئے اپنی خواہش اور کوشش کے باوجود وہ کچھ نہ کر سکے اور اقبال راضی بہ رضا رہے۔ اقبال کو اپنے ذرائع سے معلوم ہوا کہ ابھی حیدر آباد میں ان کی ضرورت نہ تھی اور سر اکبر حیدری انہیں محض اس لئے بلا رہے تھے کہ وہ یونیورسٹی اسکیم کے متعلق ان سے مفصل گفتگو کر سکیں۔ اقبال چونکہ اس قدر اخراجات کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے حیدر آباد جانے سے معذوری ظاہر کر دی۔(۲۳)

۷ر اکتوبر ۱۹۱۷ء کے خط موسومہ کشن پرشاد میں اقبال لکھتے ہیں:۔"۔۔۔گرما کی تعطیلوں میں حیدر آباد کا سفر آسان تھا اور اب یہ سفر قریباً دو ہزار روپیہ کے نقصان کا مترادف ہے۔ اگر حیدری صاحب کے خطوط سے کوئی امید خاص میرے دل میں پیدا ہوتی تو میں اس نقصان کا متحمل ہو جاتا لیکن اس وقت تک جو خطوط ان کی طرف سے آئے ہیں ان میں کوئی خاص بات نہیں۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے تنخواہ کے بارے میں استفسار کیا تھا جس کا جواب میں نے ان کو دے دیا تھا۔ علاوہ اس کے مجھے اور ذرائع سے معلوم ہوا کہ ابھی میری وہاں ضرورت بھی نہیں۔ حیدری صاحب اس وقت مجھے صرف اس واسطے بلاتے ہیں کہ یونیورسٹی سے متعلق مجھ سے گفتگو کریں اور نیز ملاقات کے لئے۔ اور کوئی غرض ان کے خطوط سے معلوم نہیں ہوتی۔ محض اس غرض سے کہ وہ مجھ سے یونیورسٹی اسکیم کی مفصل گفتگو کر سکیں، یا محض ان کی ملاقات کے لئے، میں اپنے موجودہ حالات میں اس قدر اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔۔"۔(۲۴) یوں اقبال نے حیدر آباد کے سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

۳ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کو سید سلیمان ندوی کے نام تحریر کئے گئے خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ستمبر ۱۹۱۸ء کے آخری دنوں میں کسی اہم کام کی غرض سے اقبال شملہ آئے ہوئے تھے۔ خط میں اقبال لکھتے ہیں۔۔۔"۔۔۔میں چند روز کے لئے شملہ گیا تھا۔ وہاں معلوم ہوا کہ آپ بھی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ مجھے ایک ضروری کام درپیش تھا جس میں مصروفیت رہی۔۔۔"۔۔(۲۵)

پہلی جنگِ عظیم کے حوالے سے انہیں دو سرکاری تقریبات میں بھی شریک ہونا پڑا۔ پہلی دفعہ وہ دہلی کی وار کانفرنس میں نواب ذوالفقار علی خان کے ہمراہ شریک ہوئے اور ایک نظم بھی پڑھی۔ ۱۵ر دسمبر ۱۹۱۸ء کو لاہور میں سر مائیکل اڈوائر کی صدارت میں جلسہ فتح منعقد ہوا۔ اس میں بھی علامہ کو مجبوراً شامل ہونا پڑا۔(۲۶)

خان محمد نیاز الدین خان کے نام ۵ر فروری ۱۹۱۹ء کے مکتوب میں آخر فروری یا ابتدائے مارچ میں دہلی جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔(۲۷) اسی طرح ۲۶ر فروری ۱۹۱۹ء کو مہاراجہ پرشاد کے نام خط میں انہیں بتایا کہ "۲۸ر فروری کو دہلی جانے کا قصد ہے۔"(۲۸) ۱۳ر مارچ کے مکتوب بنام خان محمد نیاز الدین میں لکھتے ہیں۔ "دہلی گیا تھا مگر جو دن جالندھر کے لیے رکھا تھا وہ وہیں دہلی نے لے لیا۔ حکیم صاحب نے باصرار ٹھہرا لیا۔ اس واسطے آپ کی خدمت میں نہ ٹھہر سکا کہ ۷ر مارچ کو کچہری میں کام

تھا"(۲۹) ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال ۲۸ر فروری سے ۵ یا ۶ر مارچ تک دہلی میں رہے۔۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس اور کانگریس کے جلسے امرتسر میں ہوئے۔ ان جلسوں میں مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی، گاندھی، موتی لال نہرو اور دیگر بڑے بڑے رہنما بھی شریک ہوئے۔ اقبال اور مرزا جلال الدین خلافت کانفرنس کے جلسے کی رونق دیکھنے کے لئے نواب سر ذوالفقار علی خان کی موٹر میں امرتسر پہنچے۔ جب پنڈال میں داخل ہو کر اقبال، علی برادران سے بغل گیر ہوئے تو جلسے میں عوام کے جوش و خروش کا عجیب عالم تھا۔ اکثر لوگ رو رہے تھے۔(۳۰)

نومبر ۱۹۱۹ء میں اکبر الہ آبادی دہلی گئے اور خواجہ حسن نظامی کے حجرے ''رین بسیرا'' میں قیام کیا۔ انہی دنوں دہلی میں کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس بھی منعقدہ ہو رہے تھے جن میں اقبال بھی مدعو تھے۔ چنانچہ خان محمد نیاز الدین خان کے نام ۹ر نومبر ۱۹۱۹ء کے خط میں لکھتے ہیں:...'' ...۲۳ر دسمبر کو دہلی جاؤں گا وہاں سے ۲۵ / یا ۲۶ر کو واپس ہوتا ہوا ایک آدھ روز کے لئے آپ کی خدمت میں بھی ٹھہر جاؤں گا بشرطیکہ صحت اچھی رہی۔ سردی کا سفر بہ سبب ضعف گردہ میرے لئے مضر ہوتا ہے۔ مولانا اکبر الہ آبادی دہلی میں ہیں اور آخر دسمبر تک قیام کریں گے، ان کی زیارت ضروری ہے۔..''(۳۱) اکبر الہ آبادی خود بھی اقبال کے منتظر تھے لیکن .اچانک ان کی طبیعت ایسی خراب ہوگئی کہ انہوں نے الہ آباد جانے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ نیاز الدین خان کے نام ۱۹ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو خط میں اقبال نے لکھا کہ:..'' ...مولانا اکبر تو غالباً ۲۳ر سے پہلے ہی الہ آباد چلے جائیں گے کیونکہ ان کی طبیعت کچھ ناساز ہے میں نے بھی ان کی زحمت کے خیال سے زور نہیں دیا کہ وہ دہلی میں میری آمد تک قیام فرمائیں۔۔''(۳۲) اس وجہ سے اقبال اس موقع پر مولانا اکبر کی ملاقات سے محروم رہے۔ بعد ازاں ۲۹ر فروری ۱۹۲۰ء کو اقبال آرہ (ضلع گیا) میں ایک مقدمہ کی پیروی کے سلسلہ میں گئے تھے اور تین دن اکبر الہ آبادی کے مہمان رہے۔(۳۳)

اقبال کا حیدرآباد کا دوسرا سفر ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ میں بیان کیا جاتا ہے۔ اس سفر سے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہوئی ہیں اور یہ نہیں معلوم کہ اقبال اس سفر کے دوران کس کس کے مہمان رہے اور کن کن اصحاب سے ملاقاتیں کیں۔(۳۴) لیکن سید عبدالواحد معینی کا خیال ہے کہ انہوں نے ۱۹۲۰ء یا ۲۱ء میں بھی حیدرآباد کا سفر کیا تھا۔ اور اس سفر کا ذکر احمد محی الدین رضوی، چیف سیکرٹری حکومتِ نظام اور نواب فضل نواز جنگ صدرالمہام مالگزاری نے معنی صاحب کے سامنے بڑے وثوق کے ساتھ کیا تھا۔(۳۵)

جون ۱۹۲۱ء میں پہلی مرتبہ اقبال نے کشمیر کا سفر کیا جو انہوں نے نامور تاجرانِ کشمیر اور رئیسانِ کشمیر کے مقدمات کی پیروی کے سلسلے میں کیا تھا۔ اس مقدمے کی پیروی کے لئے شیخ محمد بخش کے داماد منشی سراج الدین نے علامہ کی قانونی قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں کشمیر آنے کی دعوت دی تھی۔ مقدمے کی نوعیت یہ تھی کہ پنجاب نیشنل بنک سری نگر شاخ نے حساب کتاب اور لین دین کے معاملے میں شیخ محمد بخش اور شیخ کریم بخش کے خلاف ڈگریاں اور قرقیاں کروائیں اور ایک بیش قیمت جائیداد بینکڑوں میں نیلام کرا دی جس میں بہت سی بے ضابطگیاں تھیں اور بنک کا رسوخ بھی بہت کام کر رہا تھا۔ یہ مقدمہ اے

ڈی حکیم سیشن جج کی عدالت میں زیر سماعت تھا۔اس سفر میں منشی طاہر دین اور مولوی احمد دین بھی آپ کے ہمراہ تھے۔آپ نے تقریباً دو ہفتوں تک سری نگر میں ایک ہاؤس بوٹ میں قیام کیا...اور جولائی ۱۹۲۱ء کے پہلے ہفتے میں واپس لاہور پہنچے۔مقدمے کا فیصلہ چند ابتدائی غلطیوں کی وجہ سے حسبِ منشا نہ ہو سکا۔اقبال کو یہاں ایک اور مقدمہ رحمان راہ کا بھی ملا جو سری نگر میں قتل کے الزام میں قید تھا۔اقبال کی بحث سے یہ شخص پھانسی سے تو بچ گیا مگر قید کر دیا گیا۔۲۰/اپریل ۲۲ء کو منشی سراج الدین پال کے نام اقبال کے مکتوب سے اس مقدمے کی کچھ تفصیل فراہم ہوتی ہے۔(۳۶)

کشمیر میں قیام کے دوران قانونی امور سے فراغت کے بعد علامہ کشمیر کی سیر سے بھی لطف اندوز ہوئے۔ایک دن آپ منشی سراج الدین، مولوی احمد دین، سیٹھ کریم بخش، منشی نور الٰہی اور چند دیگر علم دوست احباب کی معیت میں شکارے پر بیٹھ کر ڈل جھیل کی سیر کے لئے بھی گئے۔علامہ نے نشاط باغ اور شالامار باغ میں بھی کافی وقت گزارا۔پیامِ مشرق جو اس سفر کے بعد ۱۹۲۳ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی، اس میں اقبال کی کشمیر سے متعلق تین نظمیں ''کشمیر''، ''غنی کاشمیری'' اور ''ساقی نامہ'' قیام کشمیر کے دوران ہی لکھی گئی تھیں۔نظم ''ساقی نامہ'' اقبال نے نشاط باغ کشمیر میں بیٹھ کر لکھی تھی۔اقبال کشمیر کے دلکش مناظر سے لطف اندوز ہوئے، ساتھ ساتھ کشمیریوں کی زبوں حالی سے بھی متاثر ہوئے چنانچہ پیام مشرق میں شامل نظم ساقی نامہ (پیامِ مشرق۔ص ۹۳۔کلیاتِ اقبال فارسی ص۔۲۶۹) ان کے چشم دید حالات کا بھرپور اور فنکارانہ اظہار ہے۔اس نظم کے آخری پانچ اشعار بے حد اہم اور علامہ کی حقیقت نگاری کی عمدہ مثال پیش کرتے ہیں۔

۲۴/اپریل ۲۳ء کو مولانا گرامی کے نام لدھیانہ سے تحریر گئے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ اس وقت لدھیانہ گئے ہوئے تھے۔

۔۔۔''۔۔۔نوازش نامہ لاہور سے ہوتا ہوا آج مجھے لدھیانے میں ملا۔میں چند روز سے یہاں ہوں۔کل لاہور واپس جاؤں گا۔مجموعہ اُردو ابھی تیار نہیں ہوا۔پیام مشرق خدمت والا میں پہنچے گا۔میں آٹھ دس روز سے یہاں ہوں۔لاہور ہوتا تو کتاب آپ کی خدمت میں پہنچ جاتی۔۔۔۔''۔(۳۷)

مہاراجہ کشن پرشاد کے نام ۱۴/جنوری ۲۴ء کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ نواب صاحبان کرنال کے مقدمات کے سلسلے میں یکم سے سات جنوری تک سات روز لاہور سے باہر تھے۔ان مقدمات کے لئے اقبال اکثر شملہ کا سفر کرتے رہتے تھے۔(۳۸)

چودھری محمد حسین کے نام مکتوب محررہ ۲۴/اپریل ۱۹۲۴ء لدھیانہ سے تحریر کیا گیا ہے۔۔۔''۔مرزا صاحب کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ آپ وطن چلے گئے۔میں کل لاہور واپس جاتا ہوں اب بارش کا زور کم ہو رہا ہے۔۔''۔۔۔(۳۹)

۲۴/جولائی ۱۹۲۴ء کو چوہدری محمد حسین کے نام خط میں اقبال نے انہیں یہ اطلاع دی کہ۔۔۔۔''۔۔۔مرزا صاحب اور میں یہاں سے بدھ کی شام کو چلیں گے اور جمعرات کے روز ۱۲ بجے دوپہر یا اس کے قریب شملہ پہنچ جائیں گے۔

شاید مرزا اسلم بھی ہمراہ ہوں گے۔ سردار امراؤ سنگھ صاحب کو بھی فون کر دیجئے اور نواب صاحب کی خدمت میں بھی عرض کر دیجئے۔ اس وقت تک یہی قصد ہے اگر بعد میں اس میں کوئی ترمیم ہوگی تو تار دے دوں گا۔ (۴۰)

اگست ۱۹۲۴ء کے آخری ہفتے میں اقبال مقدماتِ کرنال کے سلسلہ میں پھر شملہ جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ۲۰ر اگست ۱۹۲۴ء کو چودھری محمد حسین کے نام مکتوب میں اقبال نے اس مقدمے کی تاریخ کے بارے میں لکھا کہ ''.... معلوم نہیں نواب صاحب نے کوئی تاریخ مقدمات کرنال کے لیے مقرر کی یا نہ۔ فیصلہ ثالثی داخل کرنے کی تاریخ ۲۹ر اگست ہے۔ ان کو یاد دلا دیجئے گا...''(۴۱) ۱۰ر اگست ۱۹۲۴ء کو اپنے والد بزرگوار کے نام لکھے گئے مکتوب میں اقبال لکھتے ہیں...'' ...مقدماتِ کرنال کے تصفیے کے لئے شملہ جانا ہے اور ان کی تاریخ کا انتظار ہے۔ وہاں سے واپس ہونے کے بعد انشاءاللہ ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا...''۔ (۴۲)

۲۵ر اکتوبر ۲۴ء کے خط مولانا گرامی کو یہ خبر دیتے ہیں---'' --- آپ کا والا نامہ لاہور سے ہوتا ہوا آج مجھے لدھیانے میں ملا--- فی الحال مجھے یہ رنج دہ خبر آپ کو دینا ہے کہ میری لدھیانے والی بیوی ۲۱ر اکتوبر کو یہاں لدھیانے میں انتقال کر گئیں۔ ان کو نمونیا ہو گیا تھا اور انسانی علم طِب کی کوئی تدبیر اُن کی زندگی نہ بچا سکی------ میں ۱۹ر اکتوبر سے لدھیانے میں ہوں آج شام لاہور واپس جاؤں گا---''۔ (۴۳)

۱۳ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو حبیبیہ ہال اسلامیہ کالج لاہور میں ایک انگریزی مقالہ بعنوان ''اسلام میں اجتہاد'' پڑھا۔ جس کی شہرت مدراس کے ایک بڑے تاجر سیٹھ محمد جمال تک بھی پہنچی۔ انہوں نے اپنے خرچ پر کئی خیراتی اداروں کے علاوہ ایک تنظیم مسلم ایسوسی ایشن بھی قائم کر رکھی تھی، جس کا مقصد معروف مسلم علمی شخصیات کو مدراس میں مدعو کر کے اسلام سے متعلق موضوعات پر خطبات دلوانا تھا۔ اقبال ابتدا ہی سے اجتہاد کے مسئلے میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کے عقیدے کے مطابق اسلام کا تصورِ حیات جامد نہیں بلکہ متحرک ہے۔ سیٹھ جمال محمد نے مسلم ایسوسی ایشن کی طرف سے اوائل ۱۹۲۵ء میں اقبال کو مدراس آ کر اجتہاد ہی کے موضوع پر مقالات پڑھنے کی دعوت بھیجی اور تمام اخراجات برداشت کرنے کی ذمہ داری بھی لی۔ اقبال نے دعوت قبول کر لی لیکن خطبات کی تعداد اور سفرِ مدراس کی تاریخ کا ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ یہ پانچ سال کا عرصہ اقبال کی زندگی میں نہایت مصروفیت کا تھا۔ اقبال نے ان خطبات کے سلسلے میں موضوعات کا انتخاب اور ساتھ ہی ضروری مواد اکٹھا کر کے کتب کے مطالعے کے کام کا آغاز ۱۹۲۵ء ہی میں کر لیا تھا۔

۲۳ر اگست ۱۹۲۵ء کو ماسٹر عبداللہ چغتائی کے نام خط میں اقبال نے انہیں چند روز بعد شملہ جانے کے بارے میں مطلع کیا۔ (۴۴)

۲۵ر جون ۱۹۲۸ء کو شملہ سے چوہدری محمد حسین کو لکھتے ہیں--'' --میں بخیریت آج شملہ پہنچ گیا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کو بھی نواب صاحب چند روز کے لیے یہاں آنے کی اجازت دیں گے۔ تشریف لے آیئے شاید ذوالفقار علی خان

۲۶رکو یہاں آتے ہیں ان کے ہمراہ آ جایئے۔۔‘‘۔(۴۵) ان دنوں علامہ کو درد گردہ کی سخت شکایت تھی جس کی وجہ سے علاج و تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے کچھ عرصہ شملہ میں قیام کرنے کے خواہش مند تھے۔۱۸رستمبر ۲۸ءکو تمکین کاظمی کے نام خط میں اقبال لکھتے ہیں۔۔’’۔۔فی الحال علالت کی وجہ سے میں بہت کم لکھتا پڑھتا ہوں۔درد گردہ نے دو ماہ تک بیقرار رکھا۔اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں اور صحت کے خیال سے چندروز کے لیئے شملہ میں مقیم ہوں۔لاہور جاتے ہی فرصت کے اوقات الٰہیات اسلامیہ پر لکچر لکھنے میں صرف ہوں گے جن کا وعدہ میں مسلم ایسوسی ایشن مدراس سے کر چکا ہوں۔اگر فروری ۲۹ءتک یہ لکچر لکھ سکا تو مدراس میں پڑھے جائیں گے۔۔‘‘۔(۴۶) علامہ علالت کی وجہ سے تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے شملہ میں مقیم تھے۔دو ماہ پیشتر جون کے آخری ہفتے میں بھی شملہ میں قیام کر چکے تھے۔

اقبال کا جنوبی ہند کا سفر خالصتاً علمی حوالے سے تھا جو اوائل جنوری ۱۹۲۹ء سے شروع ہوا، جس کے لئے مسلم ایسوسی ایشن کی طرف سے سیٹھ جمال محمد نے اقبال کو مدراس آ کر اجتہاد کے موضوع پر مقالات پڑھنے کی دعوت دی تھی۔اقبال کے ہمراہ چوہدری محمد حسین، عبداللہ چغتائی اور علی بخش بھی گئے تھے۔۵رجنوری ۱۹۲۹ء کی صبح ساڑھے سات بجے گاڑی مدراس اسٹیشن پر رکی۔شام پانچ بجے گوکھلے ہال میں اقبال کا پہلا خطبہ ’’دینیاتِ اسلامیہ اور افکارِ حاضرہ‘‘ کے موضوع پر تھا۔ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، ان میں بیشتر مسلمان تھے لیکن ہندو بھی کم تعداد میں نہ تھے۔صدارت کے فرائض ڈاکٹر سبرائن چیف منسٹر مدراس نے انجام دیئے۔جلسے کا آغاز تلاوتِ قرآنِ مجید سے ہوا۔اقبال نے ایک گھنٹے سے کچھ منٹ زیادہ اپنا مقالہ پڑھنے میں لئے۔اقبال ۸رجنوری ۱۹۲۹ء تک مدراس میں رہے اور یہ چار دن نہایت مصروفیت میں گزرے۔۶رجنوری ۱۹۲۹ء کو انہوں نے گوکھلے ہال میں انہوں نے دوسرا مقالہ ’’مذہبی تجربات کے کشف و الہامات کا فلسفیانہ امتحان‘‘ پڑھا۔۷رجنوری ۱۹۲۹ء کو اقبال نے اسی ہال میں اپنا تیسرا مقالہ پیش کیا۔تینوں لیکچروں میں عظیم الشان اجتماع دیکھنے میں آیا اور مدراس کے اکثر و بیشتر انگریزی اخبارات میں ان کے خطبات کی تفصیلات بیان کی گئیں۔مدراس میں کئی اداروں اور سیٹھ جمال محمد کے حلقۂ احباب نے اپنے اپنے گھروں میں اقبال کے لئے دعوتوں کا اہتمام کیا۔۷رجنوری ۱۹۲۹ء کی رات کو مسلم ایسوسی ایشن کی طرف سے انہیں الوداعی دعوت دی گئی۔۹رجنوری ۱۹۲۹ء کو صبح سوا چھ بجے اقبال بنگلور پہنچے۔جہاں ان کا زبردست استقبال کیا گیا۔دس بجے صبح مسلم لائبریری میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں انہیں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔جلسے کی صدارت امین الملک سر مرزا اسماعیل وزیرِ اعظم ریاست میسور نے کی۔اسی شام دوسرا جلسہ آرٹس اینڈ سائنس کالج کے میدان میں ہوا۔جس کی صدارت پروفیسر سبا راؤ نے کی۔اس موقع پر اقبال نے ایک انتہائی سنجیدہ اور فلسفیانہ نوعیت کی تقریر کی۔۱۰رجنوری ۱۹۲۹ء کی شام کو چھ بجے میسور یونیورسٹی کے زیرِ اہتمام اقبال کا ایک لیکچر یونیورسٹی ہال میں ہوا۔۱۱رجنوری ۱۹۲۹ء کو ریاست میسور کی طرف سے سلطان ٹیپو کے مزار پر حاضری دینے کا ایک اہتمام کیا گیا۔۱۲رجنوری ۱۹۲۹ء کو اقبال میسور یونیورسٹی کا شعبۂ نفسیات عملی دیکھنے گئے۔ڈاکٹر گوپال سوامی صدرِ شعبہ نے انہیں طلبہ سے ملوایا اور چند دلچسپ تجربات دکھائے۔اقبال نے ۱۴رجنوری ۱۹۲۹ء سے لے کر ۱۸ر جنوری ۱۹۲۹ء تک حیدرآباد میں قیام کیا۔۱۳رجنوری ۱۹۲۹ء کو صبح ساڑھے آٹھ بجے اقبال بنگلور سے حیدرآباد کے لئے روانہ

ہوئے۔

اس بار اُنہیں جامعہ عثمانیہ کی جانب سے فلسفہ پر توسیعی لیکچرز کے سلسلے میں مدعو کیا گیا تھا اور شاہی مہمان خانہ میں قیام کیا۔ ۱۴/جنوری ۱۹۲۹ء کو آپ حیدر آباد کے سٹیشن پہنچے تو پلیٹ فارم پر سینکڑوں مسلمان بچوں نے ''چین وعرب ہمارا ہندوستاں ہمارا'' گا کر اقبال کا استقبال کیا۔ اسٹیشن پر سر اکبر حیدری، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، مولانا عبداللہ عمادی، سید ابراہیم، ڈاکٹر مظفرالدین قریشی اور عثمانیہ یونیورسٹی کے دیگر اساتذہ نے ان کا استقبال کیا۔ اگلے دن ۱۵/جنوری ۱۹۲۹ء کی شام کو باغِ عامہ کے ہال میں اقبال کا پہلا لیکچر تھا۔ صدارت مہاراجہ سرکشن پرشاد نے کی۔ ۱۷/جنوری ۱۹۲۹ء کی صبح اقبال نے دوسرا لیکچر زیرِ صدارت نواب اعظم جاہ، ولی عہدِ سلطنت باغِ عامہ کے ہال میں دیا۔ دونوں مقالے وہی تھے جو مدراس میں پڑھے جا چکے تھے۔ ۱۸/جنوری کو حضور نظام سے اقبال کی ملاقات ہوئی۔

برصغیر کے مسلم علمی حلقوں میں اقبال کے خطباتِ مدراس کی خاصی تشہیر ہوئی۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ نے خواہش ظاہر کی کہ وہی مقالات علی گڑھ میں بھی پڑھے جائیں۔ لیکن چونکہ اقبال نے مزید تین مقالات اسی سال مکمل کر لئے تھے اس لئے سر راس مسعود کی درخواست پر جو ان دنوں مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے، اقبال نے چھ مقالات علی گڑھ میں پڑھنے منظور فرما لئے۔ چنانچہ ۱۷/نومبر ۱۹۲۹ء کو اقبال عبداللہ چغتائی کے ساتھ علی گڑھ روانہ ہوئے۔ علی گڑھ میں اقبال کا قیام ۳۰/نومبر ۱۹۲۹ء تک رہا۔ اس دوران انہوں نے چھ مقالات اسٹریچی ہال میں پڑھے۔ علی گڑھ میں اقبال کا بیشتر وقت علمی مجلسوں یا علمی صحبتوں میں گزرا۔ سر راس مسعود، ڈاکٹر سید ظفر الحسن، خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر ضیاٗ الدین، بشیر حسین زیدی اور ڈاکٹر عطاء اللہ بٹ نے ان کے اعزاز میں دعوتیں دیں۔ (۴۷)

محمد سہیل عمر خطبات کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ''۔۔۔الٰہیات کے وہ تصورات جن کو اب ایک ایسی مابعد الطبیعات کے الفاظ ومصطلاحات میں پیش کیا جاتا ہے جو مدت ہوئی عملاً مردہ ہو چکی ہیں، ان لوگوں کی نظر میں بے کار ہیں جن کا ذہنی پس منظر یکسر مختلف ہے۔ چنانچہ ان دونوں حقیقتوں کے پیشِ نظر اقبال کہتے ہیں''۔۔ہم مسلمانوں کو ایک بہت بڑا کام درپیش ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ماضی سے اپنا رشتہ منقطع کئے بغیر اسلام پر بحیثیت ایک نظامِ فکر از سرِ نو غور کریں۔''(۴۸)

۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد میں اقبال کے خطبہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے کی اس خطبے کے حوالے سے انہیں تصورِ پاکستان کا بانی قرار دیا گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس طرح کی بہت سی تجاویز ۱۹۳۰ء سے پہلے بھی مختلف شخصیات کی طرف سے پیش کی گئیں لیکن خطبہ الٰہ آباد کی اہمیت اس اعتبار سے بہت بڑھ جاتی ہے کہ اقبال نے اس خطبے میں واضع طور پر مسلم صوبوں کے ایک علیحدہ وفاق یا ایک آزاد مسلم ریاست کا تصور پیش کیا۔ مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد کی صدارت کے لئے لیگ کونسل کے اجلاس مورخہ ۱۴/جولائی ۱۹۳۰ء میں محمد علی جناح نے اقبال کا نام تجویز کیا تھا۔ اقبال ۱۹/دسمبر ۱۹۳۰ء کو الٰہ آباد پہنچے۔ اسٹیشن پر ان کے میزبان نواب سر محمد یوسف اور چند دوسرے مسلم لیگی لیڈر موجود تھے۔ اقبال کو ایک جلوس کی شکل میں اسٹیشن سے نواب سر محمد یوسف کی کوٹھی لے جایا گیا۔ بعد میں اقبال نواب سر محمد یوسف کے ساتھ موٹر کار پر بیٹھ کر جلسہ گاہ میں تشریف

لائے۔ تلاوتِ قرآنِ مجید کے بعد اقبال نے اپنا خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ خطبہ انگریزی میں تھا۔ خطبے میں پیش کردہ تجویز کی حمایت میں کوئی قرارداد منظور نہ ہوئی۔ مقامی اخباروں نے بھی خطبے کی تفصیل شائع کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کسی کے ذہن میں یہ بات نہ تھی کہ اس خطبے میں اقبال نے جو خیال پیش کیا ہے وہ ایک نئے ملک کو معرضِ وجود میں لانے کا سبب بنے گا۔ اقبال نے دو دن الٰہ آباد میں قیام کیا۔ اور اکبر الٰہ آبادی کی قبر پر فاتحہ بھی پڑھی۔ ۳۱ر دسمبر ۱۹۳۰ کو لاہور واپسی ہوئی۔ خطبے میں پیش کردہ تجویز کی تائید میں کوئی قرارداد منظور نہ کئے جانے کا ایک سبب تو یہ تھا کہ محمد علی جناح سمیت لیگ کے سرکردہ لیڈر گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے لندن گئے ہوئے تھے۔ لیکن چند اور اہم وجوہ بھی تھیں۔ ہندوؤں کے ساتھ مفاہمت کے لئے محمد علی جناح نے چودہ نکات پیش کر رکھے تھے۔ اور گول میز کانفرنس میں حکومتِ برطانیہ کے نمائندوں کے سامنے بھی یہی مطالبات ابھی زیرِ غور تھے۔ (۴۹)

مارچ ۱۹۳۱ء میں گاندھی ارون معائدے کے تحت انگریزی حکومت نے سول نافرمانی کی تحریک میں گرفتار شدہ گان کو رہا کرنے کی ہامی بھر لی اور کانگریس نے سول نافرمانی کی مہم ختم کر دی۔ اگلے ماہ ارون کی جگہ ولنگڈن ہندوستان کا وائسرائے بن کر آیا۔ انہیں ایام میں ہندو مسلم مفاہمت کی ایک اور کوشش کی گئی۔ مسلم لیگ تو انتشار کا شکار تھی۔ اس لئے اپنی اہمیت کھو چکی تھی۔ البتہ آل انڈیا مسلم کانفرنس کچھ نہ کچھ اہمیت رکھتی تھی۔ چنانچہ اس کا اجلاس دہلی میں طلب کیا گیا۔ اقبال ۳ر اپریل ۱۹۳۱ء کو آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کے لئے دہلی پہنچے۔ اور وہاں انہوں نے ۵ر دن قرول باغ میں شیخ غلام علی صابر کے ہاں قیام کیا۔۔۔ مئی ۱۹۳۱ء میں بھوپال کانفرنس میں شرکت اور کشمیری مسلمانوں کے سیاسی مستقبل سے متعلق گفت وشنید کی غرض سے مولٰنا شوکت علی کی تحریک پر نواب صاحب بھوپال حمید اللہ خان نے آل انڈیا مسلم کانفرنس اور مسلم نیشنلسٹ پارٹی کے قائدین کو بھوپال مدعو کیا۔ اقبال ۱۰ر مئی ۱۹۳۱ء کو مع غلام رسول مہر بھوپال پہنچے۔ اس دوران انہوں نے والیِ بھوپال نواب سر حمید اللہ خان کو ضربِ کلیم کا ایک نسخہ بھی پیش کیا۔ انہیں سرکاری قیام گاہ قصرِ راحت منزل میں ٹھہرایا گیا۔ اقبال دو دن بھوپال میں ٹھہرے۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس اور مسلم نیشنلسٹ پارٹی کے درمیان نواب حمید اللہ خان کی کوششوں کے باوجود خلیج بڑھتی گئی۔ اور دوسری گول میز کانفرنس کے انعقاد سے پیشتر ہندو مسلم مفاہمت کی جو کوشش کی گئی تھی، بارآور ثابت نہ ہوئی۔ ۱۳ر مئی ۱۹۳۱ء کو جب اقبال اور نواب محمد اسماعیل خان بھوپال سے واپسی پر دہلی سے گزرے تو ریلوے اسٹیشن پر اخبار اسٹیٹسمین کے نمائندے کو اسی سلسلے میں ایک انٹرویو بھی دیا۔ ۱۹۳۱ء میں آزادیِ کشمیر کی تحریک پہلی دفعہ منظّم ہو کر عوامی تحریک بن گئی۔ مہاراجہ ہری سنگھ والیِ کشمیر نے نواب آف بھوپال کی وساطت سے کسی سمجھوتے کے لئے کوشش کی۔ اس غرض سے نواب آف بھوپال نے اقبال کو ایک مرتبہ بھوپال اور ایک مرتبہ دہلی بلایا لیکن بدقسمتی سے یہ گفتگوئے مصالحت کامیاب نہ ہوسکی۔ علامہ چاہتے تھے کہ اس نازک دور میں مسلمانوں کے ملی تحفظ کے لئے مل کر آواز اٹھائی جائے اور اس عظیم مقصد کے حصول کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔ (۵۰)

جولائی ۱۹۳۱ء کے آخری ہفتہ میں شملہ میں نواب سر ذوالفقار علی خان کی کوٹھی ''خوش منظر'' پر کشمیر کی سیاسی صورت

حال پر غور وخوض کے لئے ایک اجلاس بلایا گیا جس میں کشمیری مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دلانے کے لئے آل انڈیا کشمیر کمیٹی تشکیل دی گئی۔ امیر جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود اس کمیٹی کے صدر اور جماعت احمدیہ ہی کے مبلغ و کارکن مولانا عبدالرحیم درد سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اس اجلاس کے شرکا میں نواب ذوالفقار علی خان کے علاوہ علامہ اقبال، مرزا بشیر الدین محمود، خواجہ حسن نظامی، سید محسن شاہ، خان بہادر شیخ رحیم بخش، مولانا اسماعیل غزنوی، مولانا عبدالرحیم درد، مولانا نور الحق (مالک، آؤٹ لک)، سید حبیب شاہ (مالک، روزنامہ سیاست)، مولوی عبدالرحیم، اللہ رکھا ساغر (نمائندہ جموں)، صاحبزادہ عبداللطیف (نمائندہ صوبہ سرحد) شامل تھے۔ اقبال نے اخبارات میں مظلومین کشمیر کی امداد کے لئے ایک اپیل شائع کروائی (روزنامہ انقلاب ۲۱/اگست ۱۹۳۱ء....احمد رفیق افضل، مرتبہ، گفتار اقبال ص.۱۳۲)۔ اس کمیٹی کے مقاصد خوش آئند تھے لیکن یہ مقاصد شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ (۵۱)

غلام رسول مہر کے نام ۲۳/جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ سے ایک خط تحریر کیا گیا ہے۔۔۔''۔۔۔۔۔ مجھ کو بھی شعیب صاحب کا تار آیا تھا جس کا جواب میں نے ان کو دے دیا تھا۔ انشاءاللہ ۲۷/تک لاہور پہنچ جاؤں گا وہاں سے ان کو تار دے دوں گا۔ ۲۶/کو یہاں کشمیر کے معاملات کے متعلق مشورت ہوگی۔ لاہور سے انشاءاللہ بھوپال چلیں گے۔ (۵۲) تیسری گول میز کانفرنس کے وقت مسلمانوں کے حقوق سے متعلق ضروری تحریکات کی سب سے بڑی کفیل مسلم کانفرنس تھی۔ اس لئے ایسے تمام مسائل پر غور وفکر کرنے کی خاطر اس سیاسی تنظیم کی مجلسِ عاملہ کے اجلاس اکثر دہلی یا شملہ میں ہوتے رہتے تھے۔ اور اقبال کو بحیثیتِ رکنِ مجلسِ عاملہ ان اجلاسوں میں شریک ہونا پڑتا۔ ۱۹۳۲ء میں آپ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے صدر بھی منتخب ہوئے۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس بحیثیت آل پارٹیز مسلم کانفرنس ۱۹۲۸ء میں قائم ہوئی تھی۔ اور اقبال اس کے بانیوں میں سے تھے۔ ۱۹۳۴ء تک اس سیاسی جماعت نے مسلم سیاست میں نہایت اہم اور فعال کردار ادا کیا۔ مسلم لیگ عالمِ انتشار میں تھی۔ جبکہ خلافت کمیٹی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اقبال کانفرنس کی مجلسِ عاملہ کے اجلاس میں لندن سے واپسی کے فوراً بعد ۸/جنوری ۱۹۳۲ء کو دہلی پہنچے۔ (۵۳)

نذیر نیازی کے نام ۷/جنوری ۱۹۳۲ء کے مکتوب میں انہیں اطلاع دی گئی کہ۔۔۔''۔۔ میں آج شام دہلی آرہا ہوں۔ ۸/جنوری کی صبح کو آٹھ بجے دہلی پہنچوں گا اور اسٹیشن پر ہی ٹھہروں گا۔ اسی شام یعنی ۸/کی شام کو ہی واپس آنا ہو گا۔ آپ ۱۲ بجے دوپہر کے بعد یا اس خط کے ملنے کے بعد مُجھ سے اسٹیشن پر ملیں۔ کتاب کے متعلق گفتگو ہو جائے گی۔ (۵۴)

فروری ۱۹۳۲ء میں نواب بھوپال نے اقبال کو دہلی بلوایا۔ کیونکہ مہاراجہ ہری سنگھ نے مسئلہ کشمیر کے حل کے سلسلے میں نواب بھوپال سے مدد طلب کی تھی۔ اور نواب بھوپال اس بارے میں اقبال سے مشورہ کرنا چاہتے تھے۔ بعض اقبال شناسوں کی رائے میں اقبال اسی سلسلے میں جولائی ۱۹۳۱ء میں بھی بھوپال تشریف لے گئے تھے۔ اور اقبال ہی کی کوششوں سے مسئلہ کشمیر کو سلجھانے کی خاطر گلانسی کمیشن کا تقرر ہوا۔ لیکن جاوید اقبال کے مطابق انہیں اس سفر کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملا۔ (۵۵)

۶/جون۱۹۳۲ءکومجلس عاملہ کا اجلاس شملہ میں اقبال کی زیرِصدارت منعقد ہوا۔جس میں چند قراردادیں ریاست الور کے متعلق اور صوبوں کو مالی خودمختاری دیئے جانے کے بارے میں منظور کی گئیں۔۱۹/جولائی ۱۹۲۳ءکو اقبال عید میلادالنبیؐ کی تقریبات میں حصہ لینے کے لئے جالندھر گئے۔وہاں کے لوگوں نے ایک عظیم الشان جلوس نکالا۔بعد میں جلسہ ہوا جس میں اقبال نے رسولِ پاکؐ کی سیرت کے متعلق ایک جامع تقریر کی۔ان کے اعزاز میں چائے پارٹی ہوئی اور سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ اسی شام کو آپ واپس لاہور پہنچے۔۷/اگست ۱۹۳۲ءکو مجلس عاملہ کا ایک اجلاس دہلی میں زیرِصدارت اقبال منعقد ہوا۔جس میں قرار پایا کی مسلم لیڈر سکھوں سے اپنی گفت وشنید کو اس وقت تک ملتوی رکھیں جب تک حکومت فرقہ وارانہ فیصلے کا اعلان نہ کر دے۔

۲۳/اگست ۱۹۳۲ءکو مسلم کانفرنس کی مجلسِ عاملہ کا ایک اور اجلاس زیرِصدارت اقبال دہلی میں منعقد ہوا۔جس میں فرقہ وارانہ فیصلے کے متعلق ایک قرارداد منظور کی گئی۔جس میں مسلمانوں کے نقصان کی تلافی کے لئے اقبال نے دو تجاویز پیش کیں۔اول یہ کہ بنگال میں دوایوانی مقنّنہ بنائی جائے اور بالائی ایوان میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب سے نشستیں دی جائیں۔نیز کابینہ دونوں کے مشترکہ اجلاس کے سامنے ذمہ دار ہو۔یوں بنگال میں مسلمانوں کو ایک مضبوط اکثریت حاصل ہو سکتی تھی اور دوم صوبوں کو حقیقی اختیارات زیادہ سے زیادہ دیئے جائیں اور مرکز کو صرف چند برائے نام اختیارات حاصل ہوں۔(۵۶)

۱۸/مارچ ۱۹۳۳ءکو اقبال ڈاکٹر انصاری کی دعوت پر جامعہ ملیہ میں رؤف بے کے دو خطبوں کی صدارت کے لئے دہلی پہنچے۔رؤف بے ایک ترک سیاستدان اور دنیائے اسلام کے ایک بطلِ جلیل کی حیثیت سے پیرس سے دہلی مدعو کئے گئے تھے۔تاکہ جامعہ ملیہ کے توسیعی خطبات کے سلسلے کا آغاز کرسکیں۔انہوں نے پہلے روز ''وطنیت اور اتحاد اسلامی'' اور دوسرے روز ''جنگ عظیم'' کے موضوعات پر اپنے مقالات پیش کئے۔ڈاکٹر انصاری اس زمانے میں جامعہ کے سربراہ تھے اور انہوں نے بطورِ خاص علامہ اقبال سے دہلی تشریف لانے اور کم از کم دو لیکچروں کی صدارت قبول کرنے کی درخواست کی۔اقبال اسٹیشن سے سیدھے دارالاسلام، ڈاکٹر انصاری کے گھر تشریف لے گئے۔اسی شام جامعہ ملیہ پہنچے جہاں محمد علی ہال میں اجلاس کا اہتمام کیا گیا تھا۔اس موقع پر اقبالؔ نے اپنے خطبۂ صدارت میں ترکی انقلاب کو بالخصوص اپنا موضوع بنایا اور مسئلہ اجتہاد، مسئلہ خلافت اور اتحاد بین المسلمین جیسے اہم موضوعات پر انگریزی زبان میں مدلل تقریر کی۔آخر میں اپنی معروف نظم مسجد قرطبہ جو اس وقت تک غیر مطبوعہ تھی، کا آخری بند سنایا۔(۵۷)

ایک روز کے وقفے کے بعد ۲۰/مارچ ۱۹۳۳ءکو رؤف بے کے دوسرے لیکچر کے لئے اجلاس کی صدارت بھی اقبال نے کی۔لیکن اس موقع پر کوئی تقریر نہ کی۔

۱۲/مارچ ۱۹۳۳ءکو اقبال دہلی سے واپس لاہور آئے۔۶/اپریل ۱۹۳۳ءکو مسئلہ تعلیم پر وائسرائے کے ہاں کانفرنس میں اقبال کو بھی مدعو کیا گیا تھا کیونکہ تیسری گول میز کانفرنس کے دوران لندن میں اقبال کو اینگلو انڈین فرقہ کی تعلیمی کمیٹی

کارکن بنایا گیا تھا۔اس لئے ۵/اپریل ۱۹۳۳ء کی صبح کوانہیں پھر دہلی جانا پڑا۔اسی شام انہوں نے ڈاکٹر ذاکر حسین کی صدارت میں جامعہ ملیہ میں ''لندن سے غرناطہ تک'' FROM LONDON TO GRANADA کے موضوع پر ایک لیکچر دیا۔ اقبال نے لندن سے غرناطہ تک سفر کے سلسلے میں برگساں سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ایک بڑی فلسفیانہ اور بڑی دقیق بحث چھیڑ دی۔مگر پھر یہ دیکھ کر کہ حاضرین جلسہ شاید زمان ومکان اور ماہیت اشیا جیسے خشک مسائل کے متحمل نہیں ہوں گے، گفتگو کا رُخ اندلس، الحمرا اور قرطبہ کی طرف موڑ دیا اگرچہ اظہار مدعا میں اس رکاوٹ کی وجہ سے تقریر کا رنگ کچھ پھیکا پڑ گیا۔ .اگلے روز سہ پہر میں دوبارہ تشریف لائے، مولانا اسلم نے خیر مقدم کیا۔علامہ نے طلبا سے خطاب کیا۔انجمن اتحاد طلبائے جامعہ کی رکنیت قبول کی اور سپاس نامے کے جواب میں بڑے حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرمائے۔اس کے بعد طلبا سے بات چیت کے ساتھ ان کی بیاضوں پر دستخط کرتے رہے۔شام کو مجیب صاحب .کے ہاں دعوت تھی۔ (۵۸)

علامہ ۸/اپریل ۳۳ء کی صبح کو واپس لاہور پہنچے۔ (۵۹)

۲۹/جون ۱۹۳۴ء کی شام کو اقبال ریل گاڑی کے ذریعے سرہند تشریف لے گئے۔انہوں نے اپنے ۲۹/جون ۱۹۳۴ء کے مکتوب میں سید نذیر نیازی کو لکھا کہ۔۔''۔۔چند روز ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا: ہم نے جو خواب تمارے اور شکیب ارسلان کے متعلق دیکھا تھا، وہ سرہند بھیج دیا ہے۔ہمیں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بہت بڑا فضل کرنے والا ہے۔پیغام دینے والا معلوم نہیں ہوسکا کون ہے۔اس بنا پر وہاں کی حاضری ضروری ہے۔۔۔''۔ (۶۰) آپ نے اس مبارک خواب کو حضرت مجددؒ کے مزار پر حاضری دینے کا ایک اشارہ بھی تصور کیا۔دوسری وجہ یہ تھی کہ جب جاوید کی ولادت ہوئی تھی تو علامہ نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اس بچے کے ذرا بڑا ہونے پر اس کے ساتھ مزار پر حاضری دیں گے۔یہی وہ وجوہات تھیں کہ جن کی وجہ سے اقبال نے سرہند کا سفر اختیار کیا۔اس سفر میں اقبال کے ہمراہ چوہدری محمد حسین، منشی طاہر دین، غلام بھیک نیرنگ اور علی بخش بھی تھے۔غلام بھیک نیرنگ اقبال کی خواہش پر انبالہ سے آئے اور اقبال کے ساتھ سرہند جنکشن پر ان کی ملاقات ہوئی۔نیرنگ کے بقول اقبال درگاہ شریف پہنچے۔مزار پر اقبال کی حاضری ہوئی اور فاتحہ خوانی کے بعد آپ دیر تک مراقبے میں زیارت کے بعد کچھ دیر روضہ شریف میں ٹھہرے، سجادہ نشین صاحب سے ملے اور پھر ۳۰/جون کی شام کو مزار پر حاضری دینے کے بعد لاہور کے لئے روانہ ہوگئے۔درحقیقت اس سفر کے پیچھے اقبال کی حضرت مجددؒ سے دلی عقیدت کارفرما تھی۔علامہ سرہند سے بڑا گہرا اثر لے کر آئے۔آپ کو سرزمین سرہند بہت پسند آئی۔ (۶۱) علامہ اپنے ۳/جولائی ۱۹۳۴ء کے مکتوب بنام سید نذیر نیازی میں سرہند کی خوبصورتی اور وہاں کے پانی کی شیرینی کی تعریف کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ اسی خط میں شہر کے کھنڈرات کا تقابل مصر کی قدیم تہذیب سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں...''....سرہند خوب جگہ ہے۔مزار نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے بڑی پاکیزہ جگہ ہے۔پانی اس کا سدر اور شیریں ہے۔شہر کے کھنڈرات دیکھ کر مجھے مصر کا قدیم شہر فسطاط یاد آ گیا جس کی بنا حضرت عمرو بن العاص نے رکھی تھی۔اگر سرہند کی کھدائی ہو تو معلوم نہیں اس زمانے کی

تہذیب وتمدن کے کیا انکشافات ہوں۔ یہ شہر فرخ سیر کے زمانے میں بحال تھا اور موجودہ لاہور سے آبادی وسعت کے لحاظ سے دگنا تھی۔...''(۶۲)

۱۸ر دسمبر ۱۹۳۴ء کو علی الصبح علامہ دہلی پہنچے جہاں اسٹیشن پر نذیر نیازی نے علامہ کا استقبال کیا۔ ان دنوں علی گڑھ کے حالات اچھے نہیں تھے۔ وطنیت اور اشتراکیت نے اسلامیت کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم کر رکھا تھا۔ خاص طور پر علامہ کو علی گڑھ کے مدرستہ العلوم (ایم اے او کالج) میں بنائی جانے والی ''خدا دشمن سوسائٹی'' کے قیام سے بھی بہت دکھ ہوا جو بعد میں توڑ دی گئی تھی۔ اقبال کا علی گڑھ میں قیام اس سیاسی تناظر میں بہت اہمیت کا حامل تھا۔ علامہ نے دو روز علی گڑھ میں قیام کیا واپسی پر دوبارہ دہلی آئے اور حکیم نابینا سے سردار بیگم کی علالت کے بارے میں مشورہ کرنے کے بعد اسی شام لاہور روانہ ہو گئے۔ (۶۳)

نومبر ۱۹۳۴ء سے سرراس مسعود بھوپال میں وزیرِ تعلیم وصحت و امورِ عامہ کے فرائض انجام دے رہے تھے، انہوں نے گلے کی تکلیف کے بارے میں اقبال کو بھوپال آکر بجلی کا علاج کرانے کی دعوت دی۔ بھوپال کے حمیدیہ ہسپتال میں اسوقت بجلی کے علاج سے متعلق جدید ترین مشینیں نصب کی گئی تھیں۔ بالآخر سرراس مسعود کے اصرار پر اقبال نے بھوپال جا کر بجلی کا علاج کرانے کا ارادہ کر ہی لیا۔ (۶۴)

بھوپال جانے کی غرض سے اقبال، علی بخش کے ساتھ ۲۹ر جنوری ۱۹۳۵ء کو لاہور سے روانہ ہوئے اور ۳۰ر جنوری ۱۹۳۵ء کی صبح دہلی پہنچے۔ دن بھر قیام سردار صلاح الدین سلجوقی کے ہاں افغان قونصل خانے میں رہا۔ ان ہی ایام میں ترکی کی مشہور صحافیہ خالدہ ادیب خانم جو ترکی کی انجمن اتحاد و ترقی کی رکن اور مصطفیٰ کمال پاشا کی شریک کار رہ چکی تھیں مگر اس وقت پیرس میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہی تھیں، ڈاکٹر انصاری کی دعوت پر جامعہ ملیہ میں توسیعی خطابت دینے کی غرض سے دہلی آئی ہوئی تھیں۔ جامعہ ملیہ کی فرمائش تھی کہ اقبال دہلی آکر ان کے کسی خطبے کی صدارت کریں۔ اقبال نے بوجہ علالت معذوری کا اظہار کر دیا۔ شام کو جامعہ ملیہ میں خالدہ ادیب خانم سے ملاقات ضرور ہوئی لیکن ان کے خیالات پر کوئی تبصرہ نہ کیا۔۔۔ بعد میں رات کی گاڑھی سے بھوپال روانہ ہو گئے اور ۳۱ر جنوری ۱۹۳۵ء کی صبح وہاں پہنچے۔ اسٹیشن پر سرراس مسعود، ان کے پرسنل سیکرٹری ممنون حسن خان اور نواب بھوپال کے ملٹری سیکرٹری کرنل اقبال محمد خان استقبال کے لئے موجود تھے۔ (۶۵) ۲۶ر جنوری ۱۹۳۵ء کو نذیر نیازی کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں۔۔۔''۔۔۔ میں ۲۹ر جنوری کی شام کو یہاں سے روانہ ہو کر ۳۰ر کی صبح کو دہلی پہنچوں گا۔ فرنٹیر میل سے سفر کروں گا۔ جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں۔ کونسل خانے میں قیام کروں گا۔ افسوس کہ خالدہ خانم کے کسی لکچر کی صدارت کرنا ناممکن ہوگا کیونکہ دہلی صرف ایک روز ٹھہرنے کا موقع ہوگا۔ باقی خیریت ہے دوا ابھی میرے پاس ہے مزید دوا کے لئے اسٹیشن پر گفتگو ہوگی۔ پھر آپ اسے بھوپال (معرفت سرراس مسعود ریاض منزل) ارسال کر دیں۔۔۔''۔ (۶۶) اقبال کا قیام سرراس مسعود کی رہائش گاہ ''ریاض منزل'' میں تھا۔ جب وہاں پہنچے تو بیگم امت المسعود نے

ان کا خیر مقدم کیا۔ممنون حسن خان کو ان کی پیشی کے لئے مقرر کیا گیا تا کہ کسی چیز کی ضرورت ہو تو اقبال انہیں اطلاع دیں۔دوسرے روز اقبال سر راس مسعود کے ساتھ نواب بھوپال کو ملنے گئے اور قصرِ سلطانی میں انکی معیت میں کچھ وقت گزارا۔۔ریاض منزل میں اقبال کا بیشتر وقت مطالعہ یا اشعار کہنے میں صرف ہوتا۔ضربِ کلیم میں شامل سات نظمیں یہیں تحریر کی گئیں۔۵رفروری سے ۶ر مارچ تک ڈاکٹر عبدالباسط کے زیرِ علاج رہے اور ۷ر مارچ ۱۹۳۵ء کو بھوپال سے روانہ ہو کر ۸ر مارچ ۱۹۳۵ء کو دہلی پہنچے۔حسبِ معمول افغان کونصل خانے میں قیام کیا۔اگلے روز صبح حکیم نابینا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نبض دکھائی۔رات کو واپس لاہور روانہ ہوئے اور ۱۰ر مارچ ۱۹۳۵ء کی صبح لاہور پہنچے۔۳ر مارچ ۱۹۳۵ء کو بھوپال سے خط کے ذریعے علامہ نے سید نذیر نیازی کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔''۔۔میں ۷ر کی شام کو یہاں سے چلوں گا۔۸ر کی صبح دہلی پہنچ جاؤں گا۔یہ گاڑی نو بجے یا ساڑھے نو بجے دہلی پہنچتی ہے۔۸ر کا دن دہلی ٹھہروں گا اور ۹ر کی شام لاہور روانہ ہو جاؤں گا۔آپ سردار صلاح الدین سلجوقی صاحب کو بھی مطلع کر دیں میں نے ان کو علیحدہ خط بھی لکھ دیا ہے۔اس کے علاوہ حکیم صاحب سے بھی ۹ر کی صبح کا وقت (آٹھ یا ساڑھے آٹھ) مقرر کر دیں۔ان سے ملے بغیر لاہور جانا درست نہیں ہے۔۔''۔(۶۷) برقی علاج کا دوسرا کورس پورا کرنے کی خاطر اقبال دوبارہ ۱۵ر جولائی ۱۹۳۵ء کو علی بخش اور جاوید اقبال کے ہمراہ لاہور سے روانہ ہوئے۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۳۵ء کے خط میں نذیر نیازی کو لکھتے ہیں۔۔''۔میں یہاں سے پندرہ جولائی کی شام (فرنٹیئر میل) بروز سوموار روانہ ہو کر ۱۶ر کی صبح دہلی پہنچوں گا۔وہاں تمام دن قیام رہے گا تا کہ جاوید دہلی دیکھ سکے۔آپ مجھ سے ریلوے اسٹیشن پر ملیں اور بھوپال کی گاڑی میں جو وہاں سے شام کو چلے گی میرے لئے دو سیٹ سیکنڈ کلاس (لوئیر برتھ) ریزرو کرا دیں۔۔''۔(۶۸)

۱۶ر جولائی ۱۹۳۵ء کی صبح دہلی پہنچے اور جاوید اقبال کے ساتھ تمام دن تاریخی مقامات کی سیر کرتے رہے۔پہلے لال قلعہ گئے پھر نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر حاضری دی۔ہمایوں کا مقبرہ دیکھا اور بالآخر نئی دہلی سے ہوتے ہوئے قطب مینار پہنچے۔اسی رات گاڑی پر سوار ہو کر بھوپال روانہ ہو گئے۔۔۔۱۷ر جولائی ۱۹۳۵ء کو جب بھوپال پہنچے تو اسٹیشن پر شعیب قریشی اور چند دیگر اصحاب استقبال کے لئے موجود تھے۔اس مرتبہ ان کے قیام کے لئے شیش محل میں انتظام کیا گیا تھا۔۔۔بھوپال پہنچنے کے بعد اگلے روز حمیدیہ ہسپتال میں ڈاکٹر عبدالباسط کی نگرانی میں اقبال کا معائنہ ہوا۔اور برقی علاج کا کورس شروع ہو گیا۔وہ روز صبح حمیدیہ ہسپتال جاتے اور دوپہر کو واپس آتے۔شیش محل میں قیام کے دوران اقبال نے پانچ نظمیں تخلیق کیں جو ضربِ کلیم میں شامل ہیں۔بھوپال میں قیام کے دوران اقبال ہفتہ میں دو تین بار ریاض منزل ضرور جاتے اور رات کا کھانا سر راس مسعود اور بیگم امت المسعود کے ساتھ کھاتے۔۲۸ر اگست ۱۹۳۵ء کو برقی علاج کا کورس ختم ہونے پر اقبال بھوپال سے روانہ ہوئے اور اگلے روز دہلی پہنچ کر حکیم نابینا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اپنی نبض دکھائی۔رات کو گاڑی پکڑی اور ۳۰ر اگست ۱۹۳۵ء کی صبح واپس لاہور پہنچ گئے۔(۶۹) بھوپال سے واپسی کے بارے میں چوہدری محمد حسین کے نام خط میں لکھتے ہیں۔۔۔''۔۔

نیازی غالباً لاہور ہی آ جائے گا اس کو محنت اور عرق ریزی پر آمادہ کرنا چاہیے۔میں انشاءاللہ ۲۸ر اگست کی شام کو چل کر ۲۹ر کی صبح کو دہلی پہنچوں گا۔وہاں رات کو سوار ہو کر ۳۰ر کی صبح کو لاہور پہنچ جاؤں گا اگر اس پروگرام میں کچھ تبدیلی ہوئی تو بذریعہ تار کوٹھی

اطلاع دے دوں گا یا منشی طاہر دین کو۔۔۔''۔(۷۰)

برقی علاج کا تیسرا کورس پورا کرنے کے لئے اقبال ۲۹؍فروری ۱۹۳۶ء کو لاہور سے بھوپال روانہ ہوئے۔علی بخش اس سفر میں بھی ہمراہ تھا۔ یکم مارچ ۱۹۳۶ء کو دہلی پہنچے اور سردار صلاح الدین سلجوقی کے ساتھ افغان کونصل خانے میں کچھ دیر قیام کیا۔۲؍مارچ ۱۹۳۶ء کو بھوپال پہنچے اور شیش محل میں ٹھہرے۔اگلے ہی روز ڈاکٹر رحمان اور ڈاکٹر عبدالباسط نے ان کا تفصیلی معائنہ کیا اور بجلی کے علاج کا تیسرا کورس شروع ہوگیا۔بھوپال میں اس مرتبہ بھی ان کا روزمرہ کا معمول وہی پرانا تھا،صبح کا بیشتر حصہ حمیدیہ ہسپتال میں گزرتا، دوپہر کو مطالعہ اور آرام فرماتے اور شام کو ہوا خوری کے لئے بھوپال کی معروف تفریح گاہوں کملا پتی پارک، یادگارِ سلطانی وغیرہ کی طرف نکل جاتے اور رات کو سر راس مسعود کے ہاں تشریف لے جاتے، جہاں گیارہ بارہ بجے تک محفل جمی رہتی۔(۷۰)

۸؍اپریل ۱۹۳۶ء کو برقی علاج کا آخری کورس ختم ہوا اور اقبال اسی روز بھوپال سے روانہ ہوکر ۹؍اپریل ۱۹۳۶ء کو لاہور واپس پہنچ گئے۔

اکتوبر ۱۹۳۵ء میں خواجہ الطاف حسین حالؔی کے صد سالہ یوم پیدائش کی تقریبات میں حالی کے فرزند خواجہ سجاد حسین کی دعوت پر علامہ اقبال نے بھی شرکت کی تھی۔اگرچہ علامہ ۱۹۳۴ء سے بیمار چلے آ رہے تھے لیکن اس تقریب میں شرکت کے لئے رضا مند ہوگئے۔علامہ ۲۵؍اکتوبر کو پانی پت پہنچے اور ۲۶؍تاریخ کو نواب صاحب بھوپال کی صدارت میں ہونے والے اجلاس میں شریک ہوئے۔۱۲؍ستمبر ۱۹۳۵ء کو سید نذیر نیازی کے نام خط میں لکھتے ہیں۔۔۔''۔۔۔مولانا حالی کی سالگرہ کی تاریخ ۲۶، ۲۷؍اکتوبر مقرر ہوئی ہے۔میں غالباً ۲۵ یا ۲۴؍اکتوبر کو وہاں پہنچ جاؤں گا۔آپ کے رسالے کے لئے یہ بہتر ہوگا کہ اگر ممکن ہو تو آپ خود وہاں جائیں اور اگر فوٹوگراف کا بھی انتظام کرسکیں تو اور بھی بہتر ہو۔باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ وہاں میں آپ کو سید راس مسعود سے بھی انٹر و ڈیوس کراؤں گا۔ غالباً چودھری محمد حسین اور جاوید بھی ساتھ ہوں گے۔۔۔''۔(۷۲)

لاہور سے سید نذیر نیازی، چودھری محمد حسین، راجہ حسن اختر، جاوید اور علی بخش بھی علامہ کے ہمراہ شریک سفر تھے۔علامہ کو حالؔی سے خاص ارادت تھی۔خواجہ سجاد حسین نے سپاسنامہ پڑھا۔حفیؔظ جالندھری نے اپنی نظم سنائی اس کے بعد خواجہ غلام السیدین نے اعلان کیا کہ گلے کی خرابی کے سبب علامہ اپنے اشعار خود نہ سنا سکیں گے۔صد سالہ تقریبات کے حوالے سے علامہ نے پہلے ہی ایک نظم خواجہ سجاد حسین کو ارسال کر دی تھی جو حالؔی مسلم سکول کے ایک ماسٹر صاحب نے نہایت خوش الحانی سے اجلاس میں پیش کی جبکہ علامہ خود بھی سٹیج پر نواب صاحب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔اس کے بعد جمیل نقوی، غلام السیدین اور ڈاکٹر ذاکر حسین نے مولانا حالؔی سے متعلق اپنے اپنے مقالات پیش کئے پھر سر راس مسعود کا تحریر کردہ ''مسدسِ حالی'' صدی ایڈیشن کا دیباچہ پڑھا گیا۔اقبال حبسِ صوت کے سبب نہ تو اپنے اشعار سنا سکے اور نہ تعریفی کلمات کے جواب میں بطورِ تشکر ہی کچھ کہا، جو نواب صاحب بھوپال اور دیگر حضرات نے ان کی شان میں کہے تھے۔جلسے کے اختتام پر سب لوگ حالؔی کے مزار پر

فاتحہ خوانی کے لئے گئے۔علامہ نواب صاحب بھوپال سے ایک روز پہلے پانی پت پہنچے۔آپ نے پانی پت میں شاہ بوعلی قلندرؒ کے مزار پر بھی حاضری دی۔ یہ اجتماع تین دن تک جاری رہا اور اس کا ایک ایک اجلاس ہر روز صبح وشام منعقد ہوا کرتا تھا۔ یہ تقریب حالیؔ مسلم ہائی سکول میں منعقد کی گئی اور علامہ کے قیام کا بندوبست بھی اسی مدرسے کے ایک حصے میں کیا گیا۔شام کے اجلاس میں قدر دارانِ اقبال کی نگاہیں انہیں ڈھونڈتی رہیں مگر ہوا یہ کہ والیٔ بھوپال واپس تشریف لے گئے تو علامہ بھی نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے جلسہ گاہ سے اٹھ آئے کیونکہ انہیں اس وقت بے حد آرام کی ضرورت تھی۔اس دوران میں جو حضرات بھی ا نہیں ملنے کے لئے آتے علامہ دھیمی اور کمزور آواز میں انہیں جواب دیتے۔ پانی پت میں علامہ کا قیام دو روز رہا اور ۲۷/اکتوبر ۱۹۳۵ءکو پانی پت سے واپس لاہور آ گئے۔ (۷۳)

انتہائی مصروفیات کی وجہ سے اقبال کو سیاحت کے مواقع کم ہی میسر آتے تھے۔اقبال کے شملہ اور کشمیر کے سفر بھی مختلف مقدمات کے سلسلے میں تھے۔۔اگر برصغیر میں اقبال کے اسفار کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت کے مختلف پہلو سفر کی نوعیت متعین کرتے ہیں۔ایک عالم، مفکر اور فلسفی کی حیثیت سے اپنے مختلف خطبات کے لئے انہیں علی گڑھ، دہلی، مدراس، میسور، حیدر آباد دکن جانا پڑا جبکہ ایک سیاسی رہنما ہونے کی حیثیت سے انہیں دہلی، شملہ، الٰہ آباد کے سفر اکثر و بیشتر کرنا پڑتے تھے۔اپنے معاشی حالات میں بہتری کے لئے بھی اقبال کوشاں رہتے تھے۔۱۹۱۰ء میں جنوبی ہند کا سفر اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا۔۱۹۳۴ء کے اوائل میں علالت کی وجہ سے اقبال کو کئی دفعہ دہلی جانا پڑا جہاں وہ حکیم نابینا سے اپنے گلے کا علاج کرواتے تھے۔اسی غرض سے انہوں نے تین دفعہ بھوپال کا سفر بھی کیا۔البتہ سرہند کا سفر شدید علالت کے باوجود انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے والہانہ عقیدت کی وجہ کیا تھا۔

حوالہ جات / حواشی

۱۔ خالد نظیر صوفی، اقبال درونِ خانہ :لاہور بزم اقبال طبع دوم مئی ۱۹۸۳ءص ۱۱۲/ وحید الدین،فقیر سید؛ روزگار فقیر لاہور اسلامی پبلشنگ کمپنی اندرون لوہاری دروازہ..اگست ۱۹۶۴ءص ۲۰۲

۲۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۴ء۔ص۔۱۱۸

۳۔ سوزؔ (پروفیسر بشیر احمد)، اقبال اور ہزارہ: ایبٹ آباد سرحد اردو اکیڈمی قلندر آباد، نومبر ۲۰۰۲ء۔ص ۶

۴۔ صادق زاہد (پروفیسر)، تاثرات وتجزیات؛ لاہور الحمد پبلی کیشنز ۲۰۰۱ص ۴۸

۵۔ برنیؔ (سید مظفر حسین)، کلیات مکاتیب اقبال، جلد ۱: دہلی اردو اکادمی، طبع اول ۱۹۹۲ءص ۸۴

۶۔ عبداللہ چغتائی (ڈاکٹر)، اقبال کی صحبت میں :لاہور مجلس ترقی ادب نومبر ۱۹۷۷ءص ۱۴/ صادق زاہد (پروفیسر)، تاثرات و تجزیات؛ لاہور الحمد پبلی کیشنز ۲۰۰۱ص ۶۴۹ ۴/ سوزؔ، پروفیسر بشیر احمد، اقبال اور ہزارہ ص ۱۴۔۶

۷۔ عطأ اللہ (شیخ)، اقبال نامہ (اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔۲۰۰۵ء) ص ۴۳۷ تا ۴۳۹

۸۔ عطأ اللہ (شیخ)، اقبال نامہ (اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔۲۰۰۵ء) ص ۴۴۱

۹۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود، سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۴ء۔ص ۱۷۵

۱۰۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر

۱۱۔ معینی، سید عبدالواحد، مقالاتِ اقبال؛ لاہور آئینۂ ادب. انارکلی طبع دوم ۱۹۸۸ء۔ص.۲۸۰

۱۲۔ جاوید اقبال (ڈاکٹر)، مئے لالہ فام. لاہور شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز. ۱۹۶۶ء. ۱۹۷۳ء ص ۶۸۶۶/
اختر راہی، اقبال سید سلیمان ندوی کی نظر میں: لاہور بزم اقبال مارچ ۱۹۷۸ء ص ۹/معینی، سید عبدالواحد؛ نقش اقبال؛ لاہور آئینۂ ادب. ۱۹۶۹ء ص ۴۷

۱۳۔ ذوالفقار، غلام حسین (ڈاکٹر)، اکبر اور اقبال: لاہور مکتبہ عالیہ ۱۹۷۷ء ص ۱۷ - ۲۷

۱۴۔ عطأ اللہ (شیخ)، اقبال نامہ.. حصہ دوم؛ لاہور شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار. ۱۹۵۱ء ص ۴۱

۱۵ محمد عبداللہ قریشی، ایضاً ص ۱۰۱ ۱۶۔ صحیفہ؛ اقبال نمبر (حصہ اول) شمارہ نمبر ۶۵. اکتوبر ۱۹۷۳ء ص.. ۱۲۸

۱۷۔ وحید الدین، فقیر سید؛ روزگار فقیر II ص ۱۹۱ ۱۸۹./ عبداللہ چغتائی (ڈاکٹر)، اقبال کی صحبت میں: لاہور مجلس ترقی ادب نومبر ۱۹۷۷ء ص ۱۶۲

۱۸۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود۔ص ۲۶۴ ۱۹۔ محمد عبداللہ قریشی، اقبال بنام شاد ص ۲۳۴

۲۰۔ محمد عبداللہ قریشی، مکاتیب اقبال بنام گرامی: لاہور اقبال اکادمی، اپریل ۱۹۶۹ء ص ۱۱۴

۲۱۔ محمد عبداللہ قریشی، اقبال بنام شاد؛ لاہور بزم اقبال. جون ۱۹۸۶۔ص ۲۲۲

۲۲۔ محمد عبداللہ قریشی، ایضاً ص ۲۲۷ ۲۲۵ ۲۳۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود۔ص ۲۵۷

۲۴۔ محمد عبداللہ قریشی، ایضاً ص ۳۲۴

۲۵۔ عطأ اللہ (شیخ)، اقبال نامہ (اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔۲۰۰۵ء) ص ۱۱۷

۲۶۔ عبداللہ چغتائی (ڈاکٹر)، اقبال کی صحبت میں: لاہور مجلس ترقی ادب نومبر ۱۹۷۷ء ص. ۱۰۰۹۹

۲۷۔ نیاز الدین، خان محمد؛ مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان. لاہور اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۸۶ء ص ۳۵

۲۸۔ محی الدین زور قادری، شادِ اقبال ص ۹۵ ۲۹۔ نیاز الدین، خان محمد؛ ایضاً ص. ۱۷

۳۰۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود۔ص ۳۰۴

۳۱۔ نیاز الدین، خان محمد؛ مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان ص. ۴۳

۳۲۔ مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان ص ۲۶

۳۳۔ ذوالفقار، غلام حسین (ڈاکٹر)، اکبر اور اقبال: لاہور مکتبہ عالیہ ۱۹۷۷ء ص ۱۷ - ۲۷

۳۴۔ نذر حیدر آبادی، اقبال اور حیدر آباد: لاہور اقبال اکادمی، ۱۹۶۱ء ۱۹۸۱ء ص ۱۱۔۲۶

۳۵۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود۔ص ۲۶۴ ۳۶۔ بشیر احمد ڈار، انوار اقبال ص ۱۶۲

۳۷۔ محمد عبداللہ قریشی، مکاتیب اقبال بنامِ گرامی ص ۲۰۳

۳۸۔ محی الدین قادری زور، شاد اقبال؛ اعظم اسٹیم پریس ۱۹۴۲ء ص ۱۵۹/ محمد عبداللہ قریشی، اقبال بنام شاد ص ۲۷۸

۳۹۔ ثاقب نفیس، مکتوبات اقبال بنام چوہدری محمد حسین، لاہور الوقار ۲۰۰۰ء ص ۲۹

۴۰۔ ثاقب نفیس، ایضاً ص ۲۶ ۴۱۔ ثاقب نفیس، ایضاً ص ۲۸

۴۲۔ اعجاز احمد، شیخ مظلوم اقبال شیخ شوکت علی پرنٹرز ۱۹۸۵ ص

۴۳۔ محمد عبداللہ قریشی، مکاتیب اقبال بنامِ گرامی ص ۲۳۷

۴۴۔ عطاء اللہ (شیخ)، اقبالنامہ، حصہ دوم ص ۳۳۰ ۴۵۔ ثاقب نفیس، ایضاً ص ۳۰

۴۶۔ بشیر احمد ڈار، انوار اقبال ص ۱۵۷

۴۸۔ محمد سہیل عمر، خطباتِ اقبال نئے تناظر میں، اقبال اکیڈمی پاکستان ۱۹۹۶ء ص ۱۰

۵۰۔ نذیر نیازی، سید مرتبہ، مکتوباتِ اقبال بنام سید نذیر نیازی ص ۶۸/ بشیر احمد ڈار، انوار اقبال ص ۹۶

۵۱۔ سلیم احمد خان گمی، اقبال اور کشمیر، ص ۲۷۔ ۷/۶ بشیر احمد ڈار، مرتبہ؛ اقبال اور احمدیت، لاہور، آئینہ ادب ۱۹۸۴ء ص ۲۰۔ ۱۸

۵۲۔ بشیر احمد ڈار، انوار اقبال ص ۹۷ ۵۳۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود۔ ص ۵۳۲

۵۴۔ نذیر نیازی، سید، مکتوبات اقبال بنام سید نذیر نیازی، کراچی اقبال اکیڈمی ستمبر ۱۹۵۷ء ص ۹۷

۵۵۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود ۵۶۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود ص ۵۴۲

۵۷۔ عبداللہ چغتائی (ڈاکٹر)، اقبال کی صحبت میں ص ۴۱۶،۴۱۸/ عروج عبدالرؤف؛ رجالِ اقبال ص ۲۵۶،۲۵۷

۵۸۔ زاہد حسین انجم، شاعر امروز و فردا ص ۲۷۳/ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۶ء، کراچی اقبال اکیڈمی، ص ۳۸

۵۹۔ مکتوب بنام راغب احسن محررہ ۱۸؍ اپریل ۱۹۳۳ء

۶۰۔ نذیر نیازی، سید مرتبہ، مکتوباتِ اقبال بنام سید نذیر نیازی۔ ص ۱۶۱

۶۱۔ گوہر نوشاہی، مرتبہ، مطالعۂ اقبال (منتخبہ مقالات مجلّہ اقبال) ص ۳۸۳۷

۶۲۔ نذیر نیازی، سید مرتبہ، مکتوباتِ اقبال بنام سید نذیر نیازی ص ۱۶۳

۶۳۔ نذیر نیازی، سید مرتبہ، مکتوباتِ اقبال بنام سید نذیر نیازی ص ۲۳۴

۶۴۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود۔ ص ۶۰۵ تا ۶۰۶ ۶۵۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود۔ ص ۶۰۶

۶۶۔ نذیر نیازی، سید، مکتوبات اقبال بنام سید نذیر نیازی، کراچی اقبال اکیڈمی ستمبر ۱۹۵۷ء ص ۲۵۳

۶۷۔ نذیر نیازی، سید، مکتوبات اقبال بنام سید نذیر نیازی ص ۲۶۲

۶۸۔ نذیر نیازی، سید ایضاً ص ۲۷۹ ۶۹۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود۔ ص ۶۱۳، ۶۱۴

۷۰۔ ثاقب نفیس، ایضاً ص ۳۲ ۷۱۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، زندہ رود۔ ص ۶۱۸

۷۲۔ نذیر نیازی، سید ایضاً ص ۲۹۳

۷۳۔ نذیر نیازی، سید ایضاً ص ۳۵۱، ۳۴۶۔ ۳۰۱/ زندہ رود۔ ص ۶۱۵، ۶۱۶